ماہنامہ

اشراق

لاہور

نومبر ۲۰۲۱ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

"انسان کو آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ اپنے خالق کے سوا وہ کسی کا محکوم نہیں ہے۔ چنانچہ فرد ہو یا ریاست، کسی کا بھی حق نہیں ہے کہ وہ اُس کے علم و عمل پر کوئی قدغن لگائے یا اُس کے جان و مال اور آبرو کے خلاف کوئی اقدام کرے۔ یہ آزادی انسان کا پیدایشی حق ہے اور اُس کے خالق نے اُسے عطا فرمائی ہے۔ انسانی حقوق کا عالمی منشور اِسی حقیقت کا اظہار ہے۔ دنیا کی تمام قوموں نے اِسے تسلیم کیا ہے اور اپنے دساتیر میں ضمانت دی ہے کہ وہ اِس کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔ یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ اس آزادی کا شعور انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اور وہ کبھی نہیں چاہتا کہ کوئی فرد یا ادارہ یا حکومت اِس کو سلب کرنے کی کوشش کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر نہایت بلیغ اسلوب میں اِسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی تھی۔ آپ کا ارشاد ہے: "تمھاری جانیں، تمھارے مال اور تمھاری آبروئیں تمھارے درمیان اُسی طرح حرام ہیں، جس طرح تمھارے اِس دن (یوم النحر) کی حرمت تمھارے اِس مہینے (ذوالحجہ) میں اور تمھارے اِس شہر (ام القریٰ مکہ) میں" (بخاری، رقم ۶۷)۔"

—— شذرات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

ا۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ماہنامہ
اشراق
لاہور
جلد ۳۳ شمارہ ۱۱ نومبر ۲۰۲۱ء ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ

زیر سرپرستی
جاوید احمد غامدی

مدیر
سید منظور الحسن

فی شمارہ 50 روپے
سالانہ 500 روپے
رجسٹرڈ 1000 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر)
بیرون ملک
سالانہ 50 ڈالر

فہرست

شذرات
مسلمانوں کی سیاست کے بنیادی اصول: جناب جاوید احمد غامدی کا نقطۂ نظر — سید منظور الحسن — ۴
قرآنیات
البیان: العنکبوت ۲۹: ۱-۱۳ (۱) — جاوید احمد غامدی — ۱۴
معارف نبوی
علامات قیامت (۱) — جاوید احمد غامدی / ڈاکٹر محمد عامر گزدر — ۲۰
مقالات
”میزان“: توضیحی مطالعہ: قانون معاشرت (۴) — محمد عمار خان ناصر — ۴۵
نقد و نظر
مذہب کی جبری تبدیلی — خورشید احمد ندیم — ۵۳
سیر و سوانح
مہاجرین حبشہ — محمد وسیم اختر مفتی — ۵۶
اصلاح و دعوت
قرب قیامت کا ایک ظاہرہ — محمد ذکوان ندوی — ۶۴
میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم — محمد عاصم مغل — ۶۶
وفیات
محمد انیس مفتی — ساجد حمید — ۷۰
میرے پیارے ابو جان — عمیرا انیس مفتی — ۷۳

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سید منظور الحسن

مسلمانوں کی سیاست کے بنیادی اصول

جناب جاوید احمد غامدی کا نقطۂ نظر

[استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی سے یہ سوال اکثر کیا گیا ہے کہ دور حاضر میں مسلمانوں کا سیاسی لائحۂ عمل کیا ہونا چاہیے اور اِس معاملے میں اُنھیں کن چیزوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے؟ اِس سوال کے جواب میں اُنھوں نے مختلف موقعوں پر جو گفتگو فرمائی ہے، زیر نظر مضمون میں اُس کی تفصیل کی گئی ہے۔ توضیح مزید کے لیے اُن کی تحریروں کے کچھ اجزا بھی شامل کیے ہیں۔ امید ہے کہ یہ مضمون مذکورہ سوال پر استاذ گرامی کے نقطۂ نظر کی تفہیم کے لیے معاون ثابت ہو گا۔ مصنف]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دنیا کے مختلف ملکوں میں مسلمانوں کے سیاسی حالات مختلف ہیں۔ کہیں اُن کی اکثریت ہے اور کہیں وہ اقلیت میں ہیں۔ کہیں عنان حکومت اُن کے ہاتھ میں ہے اور کہیں وہ دوسری اقوام کے زیر نگیں ہیں۔ بعض جگہوں پر اُنھیں آزادی اور خود مختاری حاصل ہے، بعض علاقوں میں وہ محکوم ہیں اور بعض میں سیاسی ظلم واستبداد اور مذہبی جبر اور پرسیکیوشن (persecution) کا شکار ہیں۔ اِن مختلف سیاسی حالات میں اُن کا لائحۂ عمل ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہو گا اور اُنھیں اُسی کے مطابق اپنے اجتماعی معاملات کو آگے بڑھانا چاہیے۔ البتہ، چار اصول ایسے ہیں جنھیں مختلف سیاسی لائحہ ہاے عمل میں قدر مشترک کی حیثیت دینا ضروری ہے۔ وہ اگر کسی مسلمان ملک کے شہری ہیں یا کسی غیر مسلم ریاست کے باشندے ہیں یا کسی قوم کے فرد ہیں یا کسی سیاسی جماعت کے رکن ہیں یا کسی پارلیمان کے نمایندے ہیں یا کسی مملکت کے حکمران ہیں تو اُنھیں اپنی داخلی اور خارجی سیاست میں اِن اصولوں کو لازماً اختیار کرنا چاہیے اور پورے عزم و جزم کے ساتھ اِن کی حمایت کا اعلان کرنا

چاہیے۔ سیاست کے دائرے میں اِن اصولوں سے اُن کی وابستگی سیاسی عقائد کے طور پر ہونی چاہیے، بالکل اُسی طرح جیسے وہ مذہب کے دائرے میں مذہبی عقائد سے وابستہ ہوتے ہیں۔

یہ اصول درج ذیل ہیں:

۱۔ انسانی حقوق کا احترام

انسان کا سب سے بنیادی حق فکر و عمل اور جان، مال اور آبرو کی آزادی ہے۔ یہ اُس کا خلقی اور فطری حق ہے۔ باقی تمام حقوق اِسی کا نتیجہ اور اِسی کا ضمیمہ ہیں۔ چنانچہ انسانی معاشرت کے دوام اور استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اِس کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے۔ اِس کے بغیر نہ کوئی معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے، نہ کوئی نظم اجتماعی وجود میں آسکتا ہے اور نہ تہذیب و تمدن ترقی کر سکتے ہیں۔ یہ اللہ کا ودیعت کردہ حق ہے جس سے کسی انسان کو محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ لہٰذا کسی فرد، کسی گروہ، کسی حکومت اور کسی ریاست کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اظہار راے پر پابندی لگائے یا جان و مال اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

”انسان کو آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ اپنے خالق کے سوا وہ کسی کا محکوم نہیں ہے۔ چنانچہ فرد ہو یا ریاست، کسی کا بھی حق نہیں ہے کہ وہ اُس کے علم و عمل پر کوئی قدغن لگائے یا اُس کے جان و مال اور آبرو کے خلاف کوئی اقدام کرے۔ یہ آزادی انسان کا پیدایشی حق ہے اور اُس کے خالق نے اُسے عطا فرمائی ہے۔ انسانی حقوق کا عالمی منشور اِسی حقیقت کا اظہار ہے۔ دنیا کی تمام قوموں نے اِسے تسلیم کیا ہے اور اپنے دساتیر میں ضمانت دی ہے کہ وہ اِس کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔ یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ اس آزادی کا شعور انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اور وہ کبھی نہیں چاہتا کہ کوئی فرد یا ادارہ یا حکومت اِس کو سلب کرنے کی کوشش کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر نہایت بلیغ اسلوب میں اِسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی تھی۔ آپ کا ارشاد ہے:

إن دماء كم وأموالكم وأعراضكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا. (بخاری، رقم ۶۷)

”تمھاری جانیں، تمھارے مال اور تمھاری آبروئیں تمھارے درمیان اُسی طرح حرام ہیں، جس طرح تمھارے اِس دن (یوم النحر) کی حرمت تمھارے اِس مہینے (ذوالحجہ) میں اور تمھارے اِس شہر (ام القریٰ مکہ) میں“۔“

(مقامات ۲۳۵-۲۳۶)

اصل میں دین، مذہب، نظریہ، فکر، خیال اور نقطۂ نظر کی آزادی اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑھ کر مطلوب ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا آزمایش کے لیے بنائی ہے اور اِس مقصد کے لیے اُسے ارادہ واختیار کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ اِس کا لازمی تقاضا ہے کہ انسانوں کو نظریات کے ترک واختیار کی مکمل آزادی ملنی چاہیے۔ چنانچہ یہ آزادی اللہ کی اسکیم کا جزو لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے مذہبی اور نظری جبر کے خلاف جارحیت کو فتنے (persecution) سے تعبیر کیا ہے، اُسے قتل سے بھی بڑا جرم قرار دیا ہے اور اُس کے استیصال اور خاتمے کے لیے جہاد و قتال تک کی اجازت دی ہے[1]۔

اِسی طرح انسانی جان کے قتل کو اُس نے پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے[2] اور کسی تخصیص اور تفریق کے بغیر اُس کے لیے موت کی سزا مقرر کی ہے[3]۔ مال اور عزت و آبرو کے حقوق کی خلاف ورزی پر ہاتھ کاٹنے[4] اور کوڑوں کی تادیب ہے[5]۔ اِن حقوق کے خلاف اگر تعدی بدترین شکل اختیار کر لے اور قتل، دہشت گردی میں، زنا، زنا بالجبر اور چوری، ڈاکے میں تبدیل ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول کے خلاف جنگ اور فساد فی الارض سے تعبیر کیا ہے اور اُس کے لیے عبرت ناک سزائیں دینے کی ہدایت فرمائی ہے[6]۔ اِن سزاؤں کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کے حقوق کو تلف کرنے سے باز رہیں اور دنیا ظلم و عدوان کے بجاے امن و آشتی کے راستے پر گام زن ہو۔

اِس اصول کو مسلمانوں کو اپنے علم و عمل میں اختیار کرنا چاہیے اور اِس مقصد کے لیے درج ذیل چیزوں کا خاص طور پر اہتمام کرنا چاہیے:

۱۔ مسلمانوں کو اِن بنیادی انسانی حقوق کے لیے آواز اٹھانی چاہیے۔ اپنے گھر میں، خاندان میں، معاشرے میں، ریاست میں اور دنیا بھر میں اِن حقوق کا علم بلند کرنا چاہیے۔

۱۔ البقرہ ۲: ۱۹۱۔

۲۔ المائدہ ۵: ۳۲۔

۳۔ البقرہ ۲: ۱۷۹۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳۔

۴۔ المائدہ ۵: ۳۸۔

۵۔ النور ۲۴: ۲۔

۶۔ المائدہ ۵: ۳۳۔ ۳۴۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۲۔ اُنھیں اِس معاملے میں کسی نسلی تعصب کو، کسی قومی مفاد کو، کسی مذہبی حمیت کو آڑے نہیں آنے دینا چاہیے۔ اگر کوئی کالا یا گورا، کوئی عربی یا عجمی، کوئی ہندو یا سکھ، کوئی یہودی یا عیسائی کسی نسلی تعصب، کسی قومی عصبیت، کسی مذہبی جبر کا شکار ہے تو پورے دل و جان کے ساتھ اُس کو اُس سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۳۔ اُنھیں اپنے قومی تصورات کا جائزہ لے کر یہ دیکھنا چاہیے کہ قومی حمیت اور غداری اور ملک دشمنی کے خیالات کی بنیادی انسانی حقوق کے تناظر میں کس قدر گنجایش ہے اور کس قدر نہیں ہے۔

۴۔ اپنے مذہبی نظریات پر از سر نو غور کر کے یہ جاننا چاہیے کہ مثال کے طور پر تکفیر، ارتداد، خلافت اور غلبۂ دین کی جد و جہد کے نقطہ ہاے نظر کے بارے میں قرآن و سنت کا مطمح نظر کیا ہے۔

۲۔ جمہوریت

جمہوریت کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے نظم اجتماعی کے تمام معاملات اُن کے آپس کے مشورے سے طے ہوں۔ حکومت اُن کی راے سے قائم ہو اور اُن کی راے سے ختم ہو۔ نظم و نسق اُن کے مشورے سے وجود میں آئے اور مشورے سے تبدیل ہو۔ آئین اور قانون سازی میں اُنھی کی راے کو حاکمیت حاصل ہو۔ داخلی اور خارجی پالیسیاں انھی کے منشا کے مطابق تشکیل دی جائیں۔ گویا قومی اور بین الاقوامی سطح کے تمام سیاسی معاملات میں اُنھی کی راے کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہو۔

جمہوریت کا یہ طریقۂ کار قرآن مجید کے حکم کے عین مطابق ہے۔ سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَيۡنَهُمۡ.(۴۲:۳۸) ’’اور اُن کا نظام اُن کے باہمی مشورے پر مبنی ہے۔‘‘

یہ قرآن مجید کی صریح نص ہے۔ اِس کے اسلوب سے واضح ہے کہ یہ مشورے کے اختیار یا لزوم کو بیان نہیں کر رہی، بلکہ اُس کو اساس بنا رہی ہے۔ لہٰذا اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مشاورت ایک بہتر حکمت عملی ہے جس کا حکمرانوں کو اہتمام کرنا چاہیے، بلکہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی نظام منحصر ہی اُن کی مشاورت پر ہے۔ استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی نے اِس آیت کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اسلام کے قانون سیاست میں نظم حکومت کی اساس یہی تین لفظوں کا جملہ ہے جو اپنے اندر جہان معنی سمیٹے ہوئے ہے۔ اِس کا اسلوب سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۱۵۹ سے مختلف ہے جہاں 'شَاوِرۡهُمۡ فِي الۡاَمۡرِ' (نظم اجتماعی کے معاملے میں اُن سے مشورہ لیتے رہو) کے الفاظ آئے ہیں۔ یہاں اس کے بجاے 'اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَيۡنَهُمۡ' کا اسلوب ہے،

جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی نظام کی عمارت مشورے ہی کی بنیاد پر قائم ہے۔ اُن کے نزدیک اسلوب بیان کی اِس تبدیلی کا تقاضا ہے کہ:

> ”...امیر کی امارت مشورے کے ذریعے سے منعقد ہو۔ نظام مشورے ہی سے وجود میں آئے۔ مشورہ دینے میں سب کے حقوق برابر ہوں۔ جو کچھ مشورے سے بنے، وہ مشورے سے توڑا بھی جا سکے۔ جس چیز کو وجود میں لانے کے لیے مشورہ لیا جائے، ہر شخص کی راے اُس کے وجود کا جز بنے۔ اجماع و اتفاق سے فیصلہ نہ ہو سکے تو فصل نزاعات کے لیے اکثریت کی راے قبول کر لی جائے۔“ (میزان ۴۹۶)

جمہوریت کے اِس اصول کے چند ناگزیر تقاضے یہ ہیں:

۱۔ حکومت کے قیام و دوام کا انحصار عوام کی راے پر ہونا چاہیے۔ وہی شخص یا گروہ حکومت چلائے جسے عوام اِس ذمہ داری پر فائز کریں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہ ہو کہ وہ مذہبی تقدس، علمی تفوق، موروثی نسبت، عوامی خدمت، شخصی صلاحیت یا اِس طرح کے کسی اور وصف کو بنیاد بنا کر مسلمانوں پر اپنا تسلط قائم کرے۔

۲۔ مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے تمام ادارے مسلمانوں کی اجتماعیت کے تابع ہوں۔ ریاست کے لیے کیا دستور ہونا چاہیے اور اُسے کن اصولوں پر استوار کرنا چاہیے، اِس کی تجاویز تو ماہرین ہی ترتیب دیں، مگر ترک و اختیار اور ترمیم و اضافے کا فیصلہ عوام کریں۔ ہر انفرادی اور اجتماعی معاملے میں قرآن و سنت کی بالادستی تسلیم کرنا ایمان و اسلام کا لازمی تقاضا ہے، لیکن اِن کی تفسیر و تاویل میں کس مفسر، کس محدث، کس فقیہ کی راے کو قانون کا درجہ حاصل ہونا چاہیے، اِس کا فیصلہ بھی عامۃ المسلمین کی صواب دید پر منحصر ہو۔

۳۔ ریاست کی داخلہ اور خارجہ پالیسیوں کے حوالے سے بھی عوام الناس کے رجحان کی پیروی کی جائے۔ تعلیم، صحت، روزگار اور رفاہ عامہ کے معاملے میں ترجیحات کا تعین اُن کے میلانات کے مطابق ہو۔ اِسی طرح دوسرے ملکوں کے ساتھ تعلقات اُنھی کے منشا کے مطابق استوار کیے جائیں اور بین الاقوامی معاملات میں اُنھی کے تصورات کو روبہ عمل کیا جائے۔

۴۔ تمام لوگوں کو مشاورت اور راے دہی کے مساوی حقوق حاصل ہوں۔ مشاورت میں اگر اُن کی براہ راست شمولیت ممکن نہ ہو تو وہ اپنے نمایندوں کے ذریعے سے یہ حق استعمال کریں۔ مزید برآں، اگر کسی معاملے میں اُن کے مابین اتفاق راے قائم نہ ہو تو کثرت راے سے فیصلہ کیا جائے۔

۵۔ مسلمان اپنی قومی حیثیت میں اگر کوئی غلط فیصلہ کریں تو ارباب اقتدار اور اہل دانش پوری دردمندی کے ساتھ اُنھیں سمجھائیں اور ہر طریقے سے اُن کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں۔ لیکن اِس سے آگے بڑھ کر اُنھیں

بزور قوت روکنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہونا چاہیے۔

یہی 'اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ' کا تقاضا ہے اور یہی جمہوریت ہے۔ آمرانہ اور استبدادی نظام اِس کا متضاد ہے، لہٰذا اسلام کے قانون سیاست میں اُس کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے۔ چنانچہ استاذ گرامی نے لکھا ہے:

"... آمریت کسی خاندان کی ہو یا کسی طبقے، گروہ یا قومی ادارے کی، کسی حال میں بھی قبول نہیں کی جا سکتی، یہاں تک کہ نظم اجتماعی سے متعلق دینی احکام کی تعبیر و تشریح کے لیے دینی علوم کے ماہرین کی بھی نہیں۔ وہ یہ حق یقیناً رکھتے ہیں کہ اپنی تشریحات پیش کریں اور اپنی آرا کا اظہار کریں، مگر اُن کے موقف کو لوگوں کے لیے واجب الاطاعت قانون کی حیثیت اُسی وقت حاصل ہو گی، جب عوام کے منتخب نمایندوں کی اکثریت اُسے قبول کر لے گی۔ جدید ریاست میں پارلیمان کا ادارہ اِسی مقصد سے قائم کیا جاتا ہے۔ ریاست کے نظام میں آخری فیصلہ اُسی کا ہے اور اُسی کا ہونا چاہیے۔ لوگوں کا حق ہے کہ پارلیمان کے فیصلوں پر تنقید کریں اور اُن کی غلطی واضح کرنے کی کوشش کرتے رہیں، لیکن اُن کی خلاف ورزی اور اُن سے بغاوت کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ علما ہوں یا ریاست کی عدلیہ، پارلیمان سے کوئی بالاتر نہیں ہو سکتا۔ 'اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ' کا اصول ہر فرد اور ادارے کو پابند کرتا ہے کہ پارلیمان کے فیصلوں سے اختلاف کے باوجود وہ عملاً اُس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔" (مقامات ۲۰۳-۲۰۴)

۳۔ حق خود ارادی

حق خود ارادی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی خطۂ ارض کے لوگ زبان، نسل، علاقے، ثقافت، مذہب یا کسی اور اشتراک کی بنا پر اپنے منفرد قومی تشخص کا مطالبہ کریں تو اُنھیں ایک قوم کے طور پر قبول کیا جائے۔ یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ اپنے سیاسی فیصلوں میں خود مختار ہیں۔ چنانچہ اگر وہ چاہیں تو اپنی ریاست سے علیحدگی اختیار کر سکیں، کسی دوسری ریاست سے الحاق کر سکیں یا اپنی الگ ریاست قائم کر سکیں۔

اِن اصولوں کو اب عالمی مسلمات کی حیثیت حاصل ہے۔ عملی طور پر اگرچہ بہت پیش رفت نہیں ہوئی، لیکن فکری لحاظ سے یہ بات مان لی گئی ہے کہ حاکم اور محکوم کا تعلق ختم ہو چکا ہے۔ اب جو حکومتیں قائم ہوں گی، وہ جمہوری اصول پر چلیں گی اور اگر کسی جگہ کوئی قوم حق خود ارادی کا مطالبہ کرے گی تو استصواب رائے کے ذریعے سے اُس کے منشا کو نافذ کر دیا جائے گا۔ کشمیر کا مسئلہ ہو، فلسطین کا ہو، آئر لینڈ کا ہو، ہر مسئلے کو اُس تبدیلی کی روشنی میں دیکھنا چاہیے جو اِس وقت دنیا میں آ چکی ہے۔ اِس معاملے میں فیصلے کی بنیاد کسی تاریخی پس منظر یا

قانونی شہادت کو بنانے کے بجاے اِس سوال کو بنانا چاہیے کہ کیا اُس خطۂ ارض کے لوگ اپنا حق خود ارادی استعمال کرنا چاہتے ہیں؟ اِس کا جواب اگر اثبات میں ہے تو پھر اُن کا یہ حق ہے کہ اُنھیں جمہوری طریقے سے اپنا سیاسی فیصلہ خود کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔

اِس حوالے سے مسلمانوں کو اِن چیزوں کو اختیار کرنا چاہیے:

۱۔ یہ ماننا چاہیے کہ حق خود ارادی انسانوں کا بنیادی حق ہے۔ یہ وہ حق ہے جو انسانوں کو اُن کی پیدایش کے ساتھ ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ اِس حق کو اب انسانیت کے اجتماعی ضمیر نے تسلیم کر لیا ہے۔ لٰہذا اِس معاملے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کے بجاے بھرپور اعتماد کا اظہار کرنا چاہیے۔

۲۔ دنیا میں اگر کسی جگہ پر اِس کی خلاف ورزی ہو رہی ہو تو اُس کے خلاف ہر سطح پر آواز اٹھانی چاہیے۔

۳۔ اقوام عالم کو اِس بات کا ادراک کرانا چاہیے کہ حق خود ارادی کے معاملے میں عالمی ضمیر دو اقدار کے باہمی تصادم کا شکار ہے: ایک جانب وہ قوموں کے حق خود ارادی کا علم بردار ہے اور دوسری جانب اُن کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت کے اصول کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ دونوں اقدار باہم متضاد ہیں۔ اِنھیں بہ یک وقت قبول کرنے سے فکری تضاد جنم لیتا ہے اور حق خود ارادی کی پر زور حمایت ممکن نہیں رہتی۔

۴۔ اقوام متحدہ کو اِس پر آمادہ کرنا چاہیے کہ وہ ایسا طریقۂ کار وضع کرے کہ جس کے نتیجے میں نہ کسی قوم کو اپنا حق مانگنے میں کوئی رکاوٹ پیش آئے اور نہ اقوام عالم کو اُس کی حمایت میں کوئی تردد لاحق ہو۔ یعنی اگر قومیت کے معیار پر پوری اترنے والی کوئی قوم کسی ملک سے علیحدگی، کسی ملک سے الحاق یا اپنی آزادی و خود مختاری کا تقاضا کرے تو اُسے روبہ عمل کرنے کے لیے باقاعدہ نظام موجود ہو۔ مطالبے سے لے کر استصواب تک اور استصواب سے لے کر نتائج کے نفاذ تک ایک معلوم اور متعین لائحۂ عمل ہو۔

۵۔ آپ کے نظم سے وابستہ اگر کوئی قوم خود آپ سے علیحدگی کا مطالبہ کرتی ہے تو پوری فراخ دلی اور مکمل انصاف کے ساتھ اُس کے مطالبے کو تسلیم کرنا چاہیے۔ کسی منفی یا مثبت جذبے، کسی حمیت اور کسی تعصب کو اِس معاملے میں رکاوٹ نہیں بننے دینا چاہیے۔

۴۔ قانون کی پابندی

اِس سے مراد یہ ہے کہ قومی اور بین الاقوامی، دونوں سطحوں پر نظم اجتماعی کی بالادستی کو قبول کیا جائے۔ اُس کے حکمرانوں کی اطاعت کی جائے، اُس کے ارباب حل و عقد کے فیصلوں کو تسلیم کیا جائے، اُس کے اداروں کا

احترام کیا جائے، اُس کے قوانین کی پابندی کی جائے اور کسی سرکشی، کسی حکم عدولی، کسی بغاوت، کسی توہین، کسی انحراف کو راہ نہ دی جائے۔ قرآن مجید میں اِسے اللہ کی اطاعت، رسول کی اطاعت اور اولوالامر کی اطاعت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا. (النساء ۴: ۵۹)

”ایمان والو، (یہ خدا کی بادشاہی ہے، اِس میں) اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور اُن کی بھی جو تم میں سے معاملات کے ذمہ دار بنائے جائیں۔ پھر اگر کسی معاملے میں تمھارا اختلاف راے ہو تو (فیصلے کے لیے) اُسے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے اچھا ہے۔“

اولوالامر، یعنی حکمرانوں کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت کے تحت ہے اور اُنھی کے حکم کی پیروی میں ہے۔ اِس اطاعت کے دو بنیادی لوازم ہیں: ایک یہ کہ مسلمان اپنے نظم اجتماعی کے ساتھ وابستگی اختیار کریں اور دوسرے یہ کہ اُنھیں ریاستی قوانین کی پابندی کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی چیز کے لیے 'الجماعة' اور 'السلطان' اور دوسری کے لیے 'السمع و الطاعة' کی تعبیرات اختیار کی ہیں۔ استاذ گرامی نے اِن دونوں لوازم کی وضاحت اِن الفاظ میں کی ہے:

”اول یہ کہ اُن کے تحت جو نظم ریاست قائم کیا جائے، مسلمانوں کو اُس سے پوری طرح وابستہ رہنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس نظم کو 'الجماعة' اور 'السلطان' سے تعبیر کیا ہے اور اِس کے بارے میں ہر مسلمان کو پابند کیا ہے کہ اِس سے کسی حال میں الگ نہ ہو، یہاں تک کہ اِس سے نکلنے کو آپ نے اسلام سے نکلنے کے مترادف قرار دیا اور فرمایا کہ کوئی مسلمان اگر اِس سے الگ ہو کر مرا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔ آپ کا ارشاد ہے:

من رأى من أميره شيئًا يكرهه فليصبر عليه، فإنه من فارق من الجماعة شبرًا فمات إلا مات ميتة جاهلية. (بخاری، رقم ۷۰۵۴)

”جس نے اپنے حکمران کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھی، اُسے چاہیے کہ اُس پر صبر کرے، کیونکہ جو ایک

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بالشت کے برابر بھی مسلمانوں کے نظم اجتماعی سے الگ ہوا اور اِسی حالت میں مر گیا، اُس کی موت جاہلیت پر ہوئی۔‘‘

یہی روایت ایک دوسرے طریق میں اِس طرح آئی ہے:

من كره من أميره شيئًا فليصبر، فإنه من خرج من السلطان شبرًا مات ميتة جاهلية. (بخاری، رقم ۷۰۵۳)

’’جسے حکمران کی کوئی بات ناگوار گزرے، اُسے صبر کرنا چاہیے، کیونکہ جو ایک بالشت کے برابر بھی اقتدار کی اطاعت سے نکلا اور اِسی حالت میں مر گیا، اُس کی موت جاہلیت پر ہوئی۔‘‘

سیاسی خلفشار اور فتنہ و فساد کے زمانے میں بھی آپ کی ہدایت ہے کہ کسی مسلمان کو نظم اجتماعی کے خلاف کسی اقدام میں نہ صرف یہ کہ شریک نہیں ہونا چاہیے، بلکہ پوری وفاداری کے ساتھ اُس سے وابستہ رہنا چاہیے۔ امام مسلم کی ایک روایت میں سیدنا حذیفہ کے لیے آپ کا یہ ارشاد کہ: ’تلزم جماعة المسلمين وإمامهم‘، ’’اِس طرح کی صورت حال میں تم مسلمانوں کے نظم اجتماعی اور اُن کے حکمران سے وابستہ رہو گے‘‘ (بخاری، رقم ۳۶۰۶۔ مسلم، رقم ۴۷۸۴)، ریاست سے متعلق دین کے اِسی منشا پر دلالت کرتا ہے۔

دوم یہ کہ وہ قانون کے پابند رہیں۔ جو حکم دیا جائے، اُس سے گریز و فرار کے بجائے اُسے پوری توجہ سے سنیں اور مانیں۔ کوئی اختلاف، کوئی ناپسندیدگی، کوئی عصبیت اور کسی نوعیت کا کوئی ذہنی تحفظ بھی قانون سے انحراف کا باعث نہیں بننا چاہیے، اِلّا یہ کہ خدا کی معصیت میں کوئی قانون بنایا جائے۔ ارشاد فرمایا ہے:

عليك السمع والطاعة في عسرك ويسرك ومنشطك ومكرهك وأثرة عليك. (مسلم، رقم ۴۷۵۴)

’’تم پر لازم ہے کہ اپنے حکمرانوں کے ساتھ سمع و طاعت کا رویہ اختیار کرو، چاہے تم تنگی میں ہو یا آسانی میں اور چاہے یہ رضا و رغبت کے ساتھ ہو یا بے دلی کے ساتھ اور اِس کے باوجود کہ تم پر کسی کو ناحق ترجیح دی جائے۔‘‘

على المرء المسلم السمع والطاعة فيما أحب وكره إلا أن يؤمر بمعصية، فإن أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة. (مسلم، رقم ۴۷۶۳)

’’مسلمان پر لازم ہے کہ خواہ اُسے پسند ہو یا ناپسند، وہ ہر حال میں اپنے حکمران کی بات سنے اور مانے، سوائے اِس کے کہ اُسے کسی معصیت کا حکم دیا جائے۔ پھر اگر معصیت کا حکم دیا گیا ہے تو وہ نہ سنے گا اور نہ مانے گا۔‘‘

اسمعوا وأطيعوا وإن استعمل عليكم عبد حبشي كأن رأسه زبيبة. (بخاری، رقم ۷۱۴۲)

’’سنو اور مانو، اگرچہ تمھارے اوپر کسی حبشی غلام کو حکمران بنا دیا جائے جس کا سر منقا جیسا ہو۔‘‘

(میزان ۴۸۶-۴۸۷)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مسلمانوں کے لیے قانون کی پابندی کے اِس اصول پر عمل پیرا ہونے کے لیے درج ذیل چیزوں کا التزام ضروری ہے:

۱۔ وہ اُس ملک کے قانون کی پابندی کریں جس میں وہ مقیم ہیں۔ قطع نظر اِس کے کہ اُس میں مسلمانوں کی حکومت ہے یا غیر مسلموں کی۔

۲۔ اگر اُنھیں ملکی قوانین سے اختلاف ہے تو اُن کی پابندی کرتے ہوئے شایستگی اور استدلال کے ساتھ اپنے اختلاف کا اظہار کریں۔

۳۔ اگر کسی ملک کے قوانین اُن کے لیے اُن کے دین پر عمل پیرا ہونے یا ضمیر کی آواز پر لبیک کہنے میں رکاوٹ ہوں تو راے عامہ کو ہموار کرنے اور نظم حکومت میں تبدیلی کے لیے صرف اور صرف جمہوری طریقے اختیار کریں۔

۴۔ شریعت کے قوانین کی روح کو بھی سمجھیں اور ریاستی قوانین کا بھی مکمل فہم حاصل کریں اور اُن معاملات کو اپنے ہاتھ میں لینے سے اجتناب کریں جنھیں شریعت یا ریاست نے کسی اور مثلاً پارلیمان، حکومت یا عدالت کو سونپ رکھا ہے۔

۵۔ بین الاقوامی قوانین اور معاہدات کی پابندی کریں۔

۶۔ دنیا میں قانون کی حکمرانی کا علم بلند کریں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

البیان

جاوید احمد غامدی

العنکبوت - الروم

۲۹ - ۳۰

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

یہ دونوں سورتیں اپنے مضمون کے لحاظ سے توام ہیں۔ دونوں کا موضوع منکرین رسالت کو تہدید و وعید، اُن کے شبہات کی تردید اور اہل ایمان کے لیے، اگر وہ ثابت قدمی کے ساتھ اپنے ایمان پر قائم رہیں تو انجام خیر کی بشارت ہے۔ پہلی سورہ ـــــ العنکبوت ـــــ میں اِسی رعایت سے اُنھیں مصائب و شدائد کے ہجوم میں عزیمت و استقامت کی تلقین کی گئی ہے۔ اِس کے لیے بنائے استدلال پہلی سورہ میں زیادہ تر تاریخ کے حقائق اور دوسری میں انفس و آفاق کی نشانیاں ہیں۔

اِن میں خطاب اگرچہ بعض مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوا ہے اور اہل ایمان سے بھی، لیکن روے سخن ہر جگہ قریش مکہ ہی کی طرف ہے۔

دونوں سورتوں کے مضمون سے واضح ہے کہ ام القریٰ مکہ میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مرحلۂ انذار عام میں اُس وقت نازل ہوئی ہیں، جب ہجرت و براءت کا مرحلہ قریب آچکا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ العنکبوت

(۱)

www.javedahmedghamidi.com www.ghamidi.org

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓـمّٓ ۚ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدۡ
فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾

— ۱ —

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

یہ سورۂ 'الٓمّٓ' [۱] ہے۔ کیا لوگوں نے گمان کر رکھا ہے کہ محض یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور اُنھیں آزمایا نہ جائے گا؟ [۲] واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اُن سب لوگوں کو آزمایا ہے جو

۱۔ یہ سورہ کا نام ہے۔ اِس کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر ہم سورۂ بقرہ (۲) کی آیت ۱ کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ یہ اُن لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو منکرین کے ہاتھوں زہرہ گداز مصائب سے گھبرا اٹھے اور طرح طرح کے شبہات میں مبتلا ہو گئے تھے، مثلاً یہ کہ اگر یہ خدا کا راستہ ہے تو ایسا دشوار گزار کیوں ہے؟ اگر اِس کی دعوت دینے والے خدا کے رسول ہیں تو اُن کا ساتھ دینا اِس قدر جان جوکھم کا کام کیوں بن گیا ہے؟ ہم خدا کے لیے اٹھے ہیں تو ہمارے راستے میں یہ رکاوٹیں کیوں کھڑی ہو گئی ہیں؟

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ﴿۴﴾
مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۵﴾ وَمَنْ
جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اِن سے پہلے گزرے ہیں۔ سو اللہ اُن لوگوں کو ضرور جانے گا جو سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا[3]۔ ۱-۳

اور کیا جو (اُن کے ساتھ) برائیاں کر رہے ہیں[4]، اُنھوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائیں گے؟ (اُن پر افسوس)، بہت ہی برا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں[5]! (اِس میں شبہ نہیں کہ اِس وقت ہجوم مصائب ہے، لیکن) جو خدا سے ملنے کی امید رکھتا ہو، اُسے مطمئن رہنا چاہیے، اِس لیے کہ (جزا و سزا کے لیے) خدا کا ٹھیرایا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے اور خدا سمیع و علیم ہے۔ (اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ) جو ہمارے لیے محنت اٹھاتے ہیں[6] تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے محنت اٹھاتے ہیں، اِس لیے کہ اللہ تو دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ اور جو لوگ ایمان پر قائم رہے

۳۔ مطلب یہ ہے کہ سنت الٰہی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جزا و سزا کا معاملہ مجرد اپنے علم کی بنیاد پر نہیں کرتا، بلکہ لوگوں کو آزمایشوں میں ڈالتا ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں، اُسی کی بنیاد پر اُن کے لیے جنت اور جہنم کا فیصلہ کرتا ہے۔

۴۔ یہ اُن لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو کم زور مسلمانوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے ہوئے تھے۔

۵۔ یعنی ہر لحاظ سے برا فیصلہ ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... خدا کو اگر اُنھوں نے کم زور سمجھا ہے کہ وہ اُن پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا، جب بھی اُن کا فیصلہ نہایت برا ہے اور اگر اُنھوں نے اپنی اِن تمام ستم رانیوں پر اُس کو راضی اور اِس معاملے سے بالکل بے تعلق و بے پروا سمجھ رکھا ہے، جب بھی اُن کا یہ فیصلہ نہایت غلط اور نہایت برا ہے۔" (تدبر قرآن ۶/۱۷)

۶۔ یعنی وہ محنت جو انسان اپنے ایمان پر قائم رہنے کے لیے اٹھاتا ہے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾
وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ
بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾

اور اُنھوں نے نیک عمل کیے ہیں، (وہ یقین رکھیں کہ) اُن کی برائیاں[7] ہم ضرور اُن سے دور کریں گے اور اُن کے عمل کا اُنھیں بہترین بدلہ عطا فرمائیں گے۔ ۴-۷

(خدا سے بڑھ کر کسی کا حق نہیں ہے)۔ ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت کی ہے، لیکن (ساتھ ہی واضح کر دیا ہے کہ) اگر وہ تمھارے درپے ہوں کہ تم کسی کو میرا شریک ٹھیراؤ جس کا تمھیں کوئی علم نہیں ہے[8] تو اُن کی بات نہ ماننا[9]۔ تم سب کو میری ہی طرف

۷۔ اِس سے وہ برائیاں مراد ہیں جو اُنھوں نے اپنے ایمان لانے سے پہلے کی ہوں گی یا اب کر بیٹھیں گے اور اُس کے بعد توبہ کر کے اپنے ایمان کی تجدید کر لیں گے۔

۸۔ یہ نفی شرک کی دلیل ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”... 'علم' کے معنی دلیل و برہان کے ہیں۔ جہاں تک ایک خدا کا تعلق ہے، وہ تو ایک بدیہی حقیقت ہے جس کو ایک مشرک بھی بہر حال مانتا ہے۔ رہے دوسرے اُس کے شریک تو اُن کی دلیل پیش کرنا اُن لوگوں کی ذمہ داری ہے جو اُن کو شریک خدا ٹھیراتے ہیں اور جب تک اُن کے حق میں کوئی دلیل نہ ہو، کسی عاقل کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اُن کو خدائی میں شریک کر کے اُن کی غلامی کا قلادہ بھی اپنی گردن میں ڈال لے۔“ (تدبر قرآن ۶/ ۱۹)

۹۔ اوپر جن آزمایشوں کا ذکر ہوا ہے، اُن میں سے ایک بڑی آزمایش یہ بھی رہی ہے کہ والدین مذہب کے معاملے میں بسا اوقات اولاد کو اپنی اطاعت پر مجبور کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے والے بھی یقیناً اِس سے دوچار ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ قرآن نے واضح کر دیا کہ والدین کا حق، بے شک مسلم ہے، لیکن خدا نے یہ حق اُن کو بھی نہیں دیا کہ دین کے معاملے میں اُن کی بات بغیر کسی دلیل کے مان لی جائے یا وہ اِس

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِى الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۹﴾
وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوۡذِىَ فِى اللّٰهِ جَعَلَ فِتۡنَةَ
النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنۡ جَآءَ نَصۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكَ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّا كُنَّا
مَعَكُمۡ ؕ اَوَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِمَا فِىۡ صُدُوۡرِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰﴾ وَلَيَعۡلَمَنَّ
اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ ﴿۱۱﴾

لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمھیں بتاؤں گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ اور جو ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے، اُنھیں ہم (اُس دن) ضرور صالحین میں داخل کریں گے[۱۰]۔ ۸-۹

(یہ خدا پر ایمان کا تقاضا ہے) اور اِدھر لوگوں کا حال یہ ہے کہ اُن میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر ایمان لائے ہیں، لیکن جب اُسی خدا کی راہ میں ستائے جاتے ہیں تو لوگوں کے ستانے کو وہ خدا کے عذاب کی طرح سمجھ لیتے (اور پیچھے ہٹ جاتے) ہیں[۱۱]۔ (یہی لوگ ہیں کہ) اگر تیرے پروردگار کی طرف سے کوئی مدد ظاہر ہو گی تو ضرور کہیں گے کہ ہم تو آپ لوگوں کے ساتھ تھے۔ کیا لوگوں کے دلوں میں جو کچھ ہے، اُس سے اللہ بخوبی واقف نہیں ہے؟ (یہ ایمان کا دعویٰ کر رہے ہیں تو خوب سمجھ لیں کہ) اللہ اُنھیں ضرور جانے گا جو فی الواقع مومن ہیں اور منافقوں کو بھی جان کر رہے گا[۱۲]۔ ۱۰-۱۱

معاملے میں اپنی اولاد پر کوئی جبر کریں۔

۱۰۔ یہ تنبیہ بھی ہے اور تسلی بھی کہ دباؤ کے باوجود حق پر قائم رہو گے تو صلہ پاؤ گے، ورنہ تم اور تمھارے والدین، سب کو ایک دن میری ہی طرف پلٹنا ہے، جہاں جنت بھی ہے اور جہنم بھی۔

۱۱۔ لوگوں کے ستانے کے لیے آیت میں لفظ 'فِتۡنَة' اور جو کچھ خدا کی طرف سے پیش آئے گا، اُسے 'عَذَاب' سے تعبیر فرمایا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ عذاب در حقیقت خدا ہی کا عذاب ہے۔ لوگ جو تکلیف بھی پہنچائیں، وہ بہر حال آزمایش ہی ہے، اِس سے زیادہ اُس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۱۲۔ اِس لیے کہ پیغمبر کی طرف سے اتمام حجت کے بعد یہ تمیز ضروری ہوتی ہے۔ اللہ اپنے علم کی بنیاد پر

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ
وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ
اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور منکرین (جو اِن کو ستا رہے ہیں)[13]، ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ تم ہماری راہ پر چلتے رہو اور تمھارے گناہ ہم اٹھا لیں[14]، حالاں کہ اُن کے گناہوں میں سے وہ کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ ہاں، اپنے (گناہوں کے) بوجھ وہ ضرور اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کچھ دوسرے بوجھ بھی اور جو افترا وہ کر رہے ہیں[15]، قیامت کے دن اُس کے بارے میں یقیناً اُن سے پوچھا جائے گا۔ ۱۲-۱۳

لوگوں کے عذاب و ثواب کا فیصلہ نہیں کرتا، بلکہ اُن کے عمل کی بنیاد پر کرتا ہے اور یہی عدل کا تقاضا ہے۔

۱۳۔ اِس سے مراد وہ کفار ہیں جن کے بچے یا دوسرے زیردست افراد اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔

۱۴۔ اپنے چھوٹوں کے مقابل میں یہی منطق ہے جو اُن کے بڑے ہمیشہ استعمال کرتے رہے ہیں۔

۱۵۔ یعنی اپنی طرف سے جو دین بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ اِسے افترا اِس لیے کہا ہے کہ شرک ہو یا بدعت، دونوں جھوٹ ہیں جو خدا پر باندھے جاتے ہیں۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: ڈاکٹر محمد عامر گزدر

علامات قیامت

(۱)

— ۱ —

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عَنْ أَنَسٍ،[1] أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «الْأَمَارَاتُ[2] خَرَزَاتٌ مَنْظُومَاتٌ بِسِلْكٍ، فَإِذَا انْقَطَعَ السِّلْكُ تَبِعَ بَعْضُهُ بَعْضًا».

انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی علامات گویا ایک دھاگے میں ترتیب سے پروئے ہوئے موتی ہیں، جب دھاگا ٹوٹ جائے گا تو یہ موتی بھی ایک دوسرے کے بعد گرنا شروع ہو جائیں گے۔[1]

۱۔ یہ اِن علامتوں کے نمودار ہونے کی تمثیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب قیامت قریب ہو گی تو اُس کی یہ علامتیں بھی ٹوٹے ہوئے دھاگے کے موتیوں کی طرح آگے پیچھے آنا شروع ہو جائیں گی۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مستدرک حاکم، رقم ۸۶۳۹ سے لیا گیا ہے۔ انس بن مالک سے منقول اِس روایت کا یہ

واحد طریق ہے۔ عبد اللہ بن عمرو سے مروی اِس کا ایک تنہا شاہد مستدرک حاکم، رقم ۸۴۶۱ میں دیکھ لیا جا سکتا ہے۔

۲۔ عبد اللہ بن عمرو کی روایت مستدرک حاکم، رقم ۸۴۶۱ میں یہاں 'الْأَمَارَات' کے بجاے 'الْآيَات' کا لفظ آیا ہے۔ معنی کے اعتبار سے دونوں مترادف ہیں۔

— ۲ —

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ:[١] كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ، فَسَأَلَهُ عَنْ أَشْيَاءَ، مِنْهَا: قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَتَى [تَقُومُ[٢]] السَّاعَةُ؟ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا الْمَسْؤولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، وَلَكِنْ سَأُحَدِّثُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا:[٣] إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ رَبَّهَا،[٤] فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، وَإِذَا كَانَتِ[٥] الْعُرَاةُ الْحُفَاةُ [الْعَالَةُ[٦]] [الصُّمَّ الْبُكْمَ[٧]] رُءُوسَ النَّاسِ،[٨] فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، وَإِذَا تَطَاوَلَ رِعَاءُ الْبَهْمِ[٩] فِي الْبُنْيَانِ، فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا»[١٠]... قَالَ: ثُمَّ أَدْبَرَ الرَّجُلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «رُدُّوا عَلَيَّ الرَّجُلَ»، فَأَخَذُوا لِيَرُدُّوهُ، فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِينَهُمْ».[١١]

وَفِي طَرِيقٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ:[١٢]"... قَالَ: فَمَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: «سُبْحَانَ اللهِ، مَا الْمَسْؤُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، وَلَكِنْ إِنْ شِئْتَ نَبَّأْتُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا»، قَالَ: أَجَلْ، قَالَ: «إِذَا رَأَيْتَ الْعَالَةَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبِنَاءِ، وَكَانُوا مُلُوكًا»، قَالَ: مَا الْعَالَةُ

الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ؟ قَالَ: «الْعُرَيْبُ»،[13] قَالَ: «وَإِذَا رَأَيْتَ الْأَمَةَ تَلِدُ رَبَّتَهَا، فَذٰلِكَ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ»، قَالَ: صَدَقْتَ، ثُمَّ نَهَضَ فَوَلَّى، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «عَلَيَّ بِالرَّجُلِ»، فَطَلَبْنَاهُ كُلَّ مَطْلَبٍ فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «هَلْ تَدْرُونَ مَنْ هٰذَا؟ هَذَا جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ لِيُعَلِّمَكُمْ دِينَكُمْ».

ابوہریرہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور کچھ باتوں سے متعلق آپ سے سوالات کیے۔ اُن میں ایک یہ سوال بھی تھا کہ اے اللہ کے رسول، قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اِس کے بارے میں جس سے پوچھا گیا ہے، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ لیکن میں تمھیں اِس کی نشانیاں بتائے دیتا ہوں: جب لونڈی اپنے مالک کو جن دے گی تو یہ اُس کی ایک نشانی ہوگی۔[1] اور جب (عرب کے) یہ ننگے پاؤں، ننگے بدن پھرنے والے نادار، گونگے اور بہرے، لوگوں کے حکمران ہوں گے تو یہ بھی قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ہوگی۔[2] اور جب بھیڑ بکریاں چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہوں گے تو یہ بھی اُسی کی ایک نشانی ہوگی[3]... ابوہریرہ کہتے ہیں: آپ کے ساتھ اِس گفتگو کے بعد یہ شخص چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِس کو بلا کر واپس میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ لوگ اُسے لوٹانے کے لیے نکلے، لیکن اُنھوں نے کوئی چیز نہیں دیکھی۔[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پر فرمایا: یہ جبریل تھے جو لوگوں کو اُن کا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔

سیدنا عمر بن خطاب کے ایک طریق میں یہی واقعہ اِس طرح بیان ہوا ہے کہ اُس شخص نے پوچھا: قیامت کب ہوگی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک ہے، اِس کے بارے میں جس سے پوچھا گیا ہے، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ لیکن تم چاہو تو میں تمھیں اِس کی نشانیاں

بتا سکتا ہوں۔ اُس نے کہا: ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا: جب تم دیکھو گے کہ یہ نادار، ننگے بدن اور ننگے پاؤں پھرنے والے لوگوں کے بادشاہ بنے ہوئے ہیں اور دیکھو گے کہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے میں وہ ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ اُس شخص نے پوچھا: نادار، ننگے بدن اور ننگے پاؤں پھرنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہی بے نوا عرب۔ فرمایا: اور جب لونڈی کو اپنی مالکہ جنتے دیکھو گے تو یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہو گی۔ اُس نے عرض کیا: آپ نے سچ فرمایا۔ پھر وہ شخص اٹھا اور واپس چلا گیا۔ آپ نے فرمایا: اِس شخص کو بلا کر واپس میرے پاس لاؤ۔ سیدنا عمر کہتے ہیں کہ ہم نے اُس کو ہر جگہ تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن کہیں پا نہیں سکے۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو، یہ آدمی کون تھا؟ یہ جبریل تھے جو تمھیں تمھارا دین سکھانے کے لیے تم لوگوں کے پاس آئے تھے۔

۱۔ یہ نہایت بلیغ تعبیر ہے جس کا مدعا، ہمارے نزدیک یہ ہے کہ غلامی ایک ادارے کی حیثیت سے عالمی سطح پر ختم ہو جائے گی۔ یہ واقعہ اُس وقت ہوا، جب اقوام متحدہ نے ۱۹۴۸ء میں انسانی حقوق کے منشور کا اعلان کر دیا۔

۲۔ اصل میں 'العراة الحفاة العالة' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن پر الف لام عہد کا ہے۔ اِسی روایت کا جو طریق سیدنا عمر کے حوالے سے اِس کے بعد مذکور ہے، اُس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اِن سے مراد عرب ہی کے ننگے پاؤں، ننگے بدن پھرنے والے نادار چرواہے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اِس تبدیلی کی ابتدا ابھی قریب قریب اُسی زمانے میں ہوئی جو اوپر غلامی کے خاتمے کا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے دیکھ لیا کہ وہی چرواہے اب 'جلالة الملک' بنے ہوئے ہیں۔

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہو گئی ہے، اور ایک کے بعد دوسری بلند ترین عمارت بنانے کا جو مقابلہ اِس وقت سرزمین عرب میں جاری ہے، اُسے ہر شخص بہ چشم سر دیکھ سکتا ہے۔

۴۔ مطلب یہ ہے کہ نہ وہ شخص دکھائی دیا اور نہ اُس کے کوئی آثار نظر آئے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً صحیح مسلم، رقم ۹ سے لیا گیا ہے۔ اسلوب و تعبیر کے کچھ اختلاف کے ساتھ

ابوہریرہ سے اِس واقعے کے باقی طرق اِن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۵۵۷۔ مسند اسحاق بن راہویہ، رقم ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷۔ مسند احمد، رقم ۹۱۲۸، ۹۵۰۱۔ صحیح بخاری، رقم ۵۰، ۴۷۷۷۔ صحیح مسلم، رقم ۱۰۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۶۴، ۴۰۴۴۔ مسند بزار، رقم ۴۰۲۵۔ تعظیم قدر الصلاۃ، محمد بن نصر مروزی، رقم ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۴۹۹۱۔ صحیح ابن خزیمۃ، رقم ۲۲۴۴۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۲۹۸۵۔ صحیح ابن حبان، رقم ۱۵۹۔ الابانۃ الکبریٰ، ابن بطۃ، رقم ۸۳۲۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۵، ۱۶، ۱۵۸، ۱۵۹۔ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ابونعیم، ۶/ ۶۴۔ السنن الواردۃ فی الفتن، دانی، رقم ۳۹۳۔

ابوہریرہ کی اِس روایت کے شواہد سیدنا عمر بن خطاب، عبداللہ بن عباس، ابومالک اشعری اور حارث اشعری سے بھی نقل ہوئے ہیں۔ سیدنا عمر کی روایت کے طرق اِن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مسند احمد، رقم ۱۸۴، ۳۶۷، ۳۶۸۔ صحیح مسلم، رقم ۸۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۶۳۔ سنن ابی داود، رقم ۴۶۹۵۔ سنن ترمذی، رقم ۲۶۱۰۔ تعظیم قدر الصلاۃ، محمد بن نصر مروزی، رقم ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۷۵۔ القدر، فریابی، رقم ۲۱۰، ۲۱۲۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۴۹۹۰۔ صحیح ابن حبان، رقم ۱۶۸، ۱۷۳۔ الشریعۃ، آجری، رقم ۲۰۶۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱، ۲، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۱، ۱۳، ۱۴، ۱۵۷، ۱۸۵۔ القضاء والقدر، بیہقی، رقم ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳۔ دلائل النبوۃ، بیہقی، ۷/ ۶۹۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۱۹۔

ابن عباس کے طریق کی روایتیں اِن مراجع میں نقل ہوئی ہیں: مسند احمد، رقم ۲۹۲۴، ۱۷۱۶۹۔ مسند بزار، رقم ۴۸۳۲۔ مسند حارث، رقم ۹۔ ابومالک اشعری کا طریق مسند احمد، رقم ۱۷۱۶۷، ۱۷۱۶۹، ۱۷۵۰۲ میں دیکھ لیا جا سکتا ہے، جب کہ حارث اشعری کی روایت کا تنہا ماخذ جزء لوٗلوٗ بن احمد، رقم ۱۰ ہے۔

۲۔ صحیح مسلم، رقم ۱۰۔

۳۔ بعض طرق، مثلاً مسند اسحاق بن راہویہ، رقم ۱۶۵ میں یہاں اِس کے بجائے 'وَلٰكِنْ لَهَا عَلَامَاتٌ تُعْرَفُ بِهَا'، ''لیکن اِس کی کچھ نشانیاں ہیں، جن سے اِس کا قرب معلوم ہو جائے گا'' کا جملہ روایت ہوا ہے۔

۴۔ بعض روایتوں، مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۵۵۷ میں یہاں 'رَبَّهَا'، ''اپنے مالک'' کے بجائے 'رَبَّتَهَا'، ''اپنی مالکہ'' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ حارث اشعری کے طریق جزء لوٗلوٗ بن احمد، رقم ۱۰ میں 'سَيِّدَهَا'، ''اپنا سردار'' کے الفاظ آئے ہیں۔ سیدنا عمر سے منقول بعض طرق، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۸۴ میں 'وَوَلَدَتِ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

الْإِمَاءُ أَرْبَابَهُنَّ'، ''اور جب باندیاں اپنے آقاؤں کو جنیں گی'' کے الفاظ ہیں۔

۵۔ صحیح ابن خزیمہ، رقم ۲۲۴۴ میں یہاں 'كَانَتْ' کے بجائے 'صَارَ' کا لفظ آیا ہے۔ معنی کے لحاظ سے یہاں دونوں ایک ہی مدعا پر دلالت کرتے ہیں۔

۶۔ یہ اضافہ سیدنا عمر کے ایک طریق مسند احمد، رقم ۱۸۴ سے لیا گیا ہے۔

۷۔ صحیح مسلم، رقم ۱۰۔

۸۔ کئی طرق، مثلاً مسند اسحاق بن راہویہ، رقم ۱۶۵ میں یہاں 'رُءُوسَ النَّاسِ'، ''لوگوں کے حکمران'' کے بجائے 'مُلُوكَ الْأَرْضِ'، ''زمین کے بادشاہ'' کے الفاظ ہیں۔

۹۔ بعض طرق، مثلاً سنن ابن ماجہ، رقم ۶۴ میں یہاں 'رِعَاءُ الْبَهْمِ' کے بجائے 'رِعَاءُ الْغَنَمِ' کے الفاظ آئے ہیں۔ معنی کے لحاظ سے دونوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ الابانۃ الکبریٰ، ابن بطہ، رقم ۸۳۲ میں 'أَهْلُ الشَّاءِ'، ''بکریاں چرانے والے'' کے الفاظ ہیں۔ صحیح بخاری، رقم ۵۰ میں 'وَإِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الإِبِلِ البُهْمُ فِي البُنْيَانِ'، ''اور جب اونٹ چرانے والے یہ سیاہ رنگ کے لوگ بڑی بڑی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہوں گے'' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں، جب کہ سیدنا عمر کی روایت کے اکثر طرق، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۸۴ میں 'رِعَاءُ الْبَهْمِ' کے بجائے 'رِعَاءُ الشَّاءِ' کے الفاظ ہیں۔ معنی کے اعتبار سے یہ دونوں مترادف ہیں۔

۱۰۔ سیدنا ابن عباس کے ایک طریق مسند احمد، رقم ۲۹۲۴ میں یہاں 'فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا'، ''تو یہ بھی اُسی کی ایک نشانی ہو گی'' کے بجائے 'فَذَلِكَ مِنْ مَعَالِمِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا'، ''تو یہ بھی قیامت کے آثار اور اُس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہو گی'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۱۱۔ سیدنا عمر سے مروی کئی طرق، مثلاً مسند احمد، رقم ۳۶۷ میں یہاں 'فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ، أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ'، ''یہ جبریل تھے جو تمھارا دین سکھانے کے لیے تمھارے پاس آئے تھے'' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں، جب کہ اُنھی کی بعض روایتوں، مثلاً سنن ابن ماجہ، رقم ۶۳ میں 'ذَاكَ جِبْرِيلُ، أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ مَعَالِمَ دِينِكُمْ'، ''یہ جبریل تھے جو تمھارے دین کی بنیادی باتیں سکھانے کے لیے تمھارے پاس آئے تھے'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۱۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۱۷۳۔

۱۳۔ ابن عباس کی ایک روایت مسند احمد، رقم ۲۹۲۴ میں یہ بات اِس طرح نقل ہوئی ہے: 'قَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ، وَمَنْ أَصْحَابُ الشَّاءِ وَالْحُفَاةُ الْجِيَاعُ الْعَالَةُ؟ قَالَ: «الْعَرَبُ»'، ''اُس نے پوچھا، یہ بکریاں چرانے والے، ننگے پاؤں پھرنے والے، بھوکے اور نادار کون ہوں گے، یارسول اللہ؟ فرمایا: یہی عرب''۔ ابومالک اشعری کے ایک طریق مسند احمد، رقم ۱۶۷۱۷ میں یہ الفاظ آئے ہیں: 'قَالَ: وَمَنْ أُولَئِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الْعُرَيْبُ'، ''اُس شخص نے پوچھا: یارسول اللہ، یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: یہی بے نوا عرب''۔

— ۳ —

عَنْ أَنَسٍ،[1] أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَلاَمٍ، بَلَغَهُ مَقْدَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المَدِينَةَ فَأَتَاهُ يَسْأَلُهُ عَنْ أَشْيَاءَ، فَقَالَ: إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ ثَلاَثٍ [خِصَالٍ[2]] لاَ يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ، [فَإِنْ أَخْبَرْتَنِي بِهَا آمَنْتُ بِكَ، وَإِنْ لَمْ تَعْلَمْهُنَّ عَرَفْتُ أَنَّكَ لَسْتَ بِنَبِيٍّ،[3]] [قَالَ: «سَلْ»[4]] [قَالَ:[5]] مَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ؟ وَمَا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الجَنَّةِ؟ وَمَا بَالُ الوَلَدِ يَنْزِعُ إِلَى أَبِيهِ أَوْ إِلَى أُمِّهِ؟[6] قَالَ [رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:[7]] «أَخْبَرَنِي بِهِ[8] جِبْرِيلُ آنِفًا» قَالَ ابْنُ سَلاَمٍ: [جِبْرِيلُ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قَالَ:[9]] ذَاكَ عَدُوُّ اليَهُودِ مِنَ المَلاَئِكَةِ، [فَقَرَأَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الآيَةَ: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾.[10]] [البقره: ۹۷] قَالَ: «أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُهُمْ مِنَ المَشْرِقِ إِلَى المَغْرِبِ،[11] وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ الحُوتِ،[12] وَأَمَّا [شَبَهُ[13]] الوَلَدِ [أَبَاهُ وَأُمَّهُ،[14]] فَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ

www.javedahmadghamidi.com

المَرْأَةِ نَزَعَ الوَلَدَ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ المَرْأَةِ مَاءَ الرَّجُلِ نَزَعَتِ الوَلَدَ»[15] قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ اليَهُودَ قَوْمٌ بُهُتٌ فَاسْأَلْهُمْ عَنِّي، قَبْلَ أَنْ يَعْلَمُوا بِإِسْلاَمِي، فَجَاءَتِ اليَهُودُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلاَمٍ فِيكُمْ؟» قَالُوا: خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا، وَأَفْضَلُنَا وَابْنُ أَفْضَلِنَا، [وَعَالِمُنَا وَابْنُ عَالِمِنَا، وَأَفْقَهُنَا وَابْنُ أَفْقَهِنَا،[16]] فَقَالَ النَّبِيُّ: «أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلاَمٍ» قَالُوا: أَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ، فَأَعَادَ عَلَيْهِمْ، فَقَالُوا: مِثْلَ ذٰلِكَ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ عَبْدُ اللّٰهِ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، قَالُوا: شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا [وَجَاهِلُنَا وَابْنُ جَاهِلِنَا[17]]، وَتَنَقَّصُوهُ،[18] قَالَ [ابْنُ سَلاَمٍ:[19]] هٰذَا كُنْتُ أَخَافُ [مِنْهُمْ[20]] يَا رَسُولَ اللّٰهِ.

انس بن مالک کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن سلام کو یہ خبر ملی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے ہیں تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ سے کچھ چیزوں کے بارے میں پوچھیں۔ اُنھوں نے اُس موقع پر کہا: میں آپ سے تین ایسی باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنھیں کوئی نبی ہی جان سکتا ہے۔ سو آپ نے اگر اُن کے بارے میں مجھے صحیح بتا دیا تو میں آپ کی رسالت پر ایمان لے آؤں گا، لیکن آپ کو اُن باتوں کا علم نہ ہوا تو میں جان لوں گا کہ آپ کوئی نبی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: پوچھو۔ اُنھوں نے کہا: قیامت کی پہلی علامت کیا ہو گی؟ اہل جنت پہلا کھانا کیا کھائیں گے؟ اِس کی کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا اور کبھی ماں کی شکل وصورت پر ہوتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل نے مجھے ابھی اِس کی خبر دی ہے۔ عبد اللہ بن سلام

نے پوچھا: جبریل نے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں۔ عبداللہ بن سلام نے کہا: وہ تو فرشتوں میں یہود کا دشمن ہے۔ اِس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''جو لوگ جبریل کے دشمن ہیں، وہ درحقیقت اللہ کے دشمن ہیں، اِس لیے کہ اُس نے تو (اے پیغمبر)، اِسے اللہ کے اذن ہی سے تمھارے قلب پر نازل کیا ہے[1]'' (البقرہ ۲: ۹۷)۔ آپ نے فرمایا: قیامت کی پہلی علامت آگ ہو گی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک لے جا کر جمع کر دے گی۔[2] اور اہل جنت جو پہلا کھانا (جنت میں) کھائیں گے، وہ مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ ہو گا۔[3] اور جہاں تک بچے کی اپنی ماں اور باپ سے مشابہت کی بات ہے تو جب مرد کا نطفہ عورت کے نطفے پر سبقت لے جاتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی سے آگے بڑھ جائے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔[4] عبداللہ بن سلام نے یہ جوابات سنے تو کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اِس کے بعد اُنھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول، یہود بہت زیادہ بہتان لگانے والے لوگ ہیں۔ اِس سے پہلے کہ اُن کو میرے اسلام لانے کا علم ہو، آپ اُن سے میرے متعلق سوال پوچھیے گا۔ چنانچہ یہودی آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: تمھارے لوگوں میں عبداللہ بن سلام کیسا آدمی ہے؟ اُنھوں نے جواب میں کہا: وہ ہمارا بہترین آدمی اور ہمارے بہترین شخص کا بیٹا ہے۔ وہ ہمارا سب سے صاحب فضیلت آدمی اور ہمارے افضل ترین شخص کا بیٹا ہے۔ وہ ہمارا صاحب علم شخص اور ہمارے عالم کا بیٹا ہے۔ اور وہ ہمارا سب سے بڑھ کر صاحب فہم آدمی اور ہمارے سب سے بڑے صاحب فہم شخص کا بیٹا ہے۔ اِس پر آپ نے فرمایا: اگر عبداللہ بن سلام اسلام لے آئے تو تمھارے کیا تاثرات ہوں گے؟ اُنھوں نے کہا: اللہ اُنھیں ایسے اقدام سے اپنی پناہ میں رکھے۔ پھر آپ نے اپنا یہی سوال اُن کے سامنے دہرایا اور اُنھوں نے یہی جواب دیا۔ پھر عبداللہ بن سلام باہر نکل کر اُن کے سامنے آئے اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر اُن یہودیوں نے کہا: یہ ہم میں سب سے بُرا اور ہمارے سب سے بُرے آدمی کا بیٹا ہے اور ہمارا جاہل آدمی اور ہمارے جاہل آدمی کا بیٹا ہے۔ اِس

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

طرح اُنھوں نے عبد اللہ بن سلام کے بارے میں بہت سی بری باتیں کہیں۔ عبد اللہ بن سلام نے کہا: اے اللہ کے رسول، مجھے اِن سے یہی اندیشہ تھا۔

۱۔ ابن جریر طبری نے جو تفسیری روایتیں سورۂ بقرہ (۲) کی اِس آیت کے تحت نقل کی ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا عام خیال یہ تھا کہ اُن پر جو سختی، مصیبت اور عذاب بھی آیا ہے، وہ جبریل ہی لے کر آتے رہے ہیں۔ میکائیل علیہ السلام کو، اِس کے برخلاف وہ رأفت و رحمت کا فرشتہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب قرآن کے بارے میں یہ ذکر ہوا کہ اُسے جبریل نے نازل کیا ہے تو اُنھوں نے یہی خیال کیا کہ جبریل نے یہ کتاب اُنھی کی دشمنی میں اُن کے کسی آدمی کے بجاے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتار دی ہے۔ عبد اللہ بن سلام نے یہ بات غالباً اِسی پس منظر میں کہی ہے، جس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

۲۔ اِس آگ کا ذکر دوسری روایتوں میں بھی ہوا ہے، لیکن وہاں یہ بات بیان نہیں ہوئی کہ جب وقوع قیامت کے آثار نمودار ہونا شروع ہوں گے تو یہی پہلی علامت ہو گی۔ چنانچہ اِس روایت کی نسبت اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے تو اِس کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ علی الاطلاق پہلی علامت کا نہیں، بلکہ اُس مرحلے کی پہلی علامت کا ذکر ہے جس کے فوراً بعد صور پھونک دیا جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی۔

۳۔ اِس طرح کی چیزیں امور متشابہات میں سے ہیں، جن کی حقیقت اُسی وقت معلوم ہو گی، جب یہ سامنے آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تنبیہ فرمائی ہے کہ کسی صاحب ایمان کو اِن کے درپے بھی نہیں ہونا چاہیے۔

۴۔ سادہ لفظوں میں یہ غالباً اُسی حقیقت کا ذکر ہے جسے سائنس کی زبان میں ماں یا باپ کی طرف سے جین کے انتقال میں سبقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح بخاری، رقم ۳۹۳۸ سے لیا گیا ہے۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے باقی طرق اِن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مسند طیالسی، رقم ۲۱۶۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۵۹۸۷، ۳۷۳۱۶۔ مسند احمد، رقم ۱۲۰۵۷، ۱۲۹۷۰، ۱۳۸۶۸۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۱۳۸۹۔ صحیح بخاری، رقم ۳۳۲۹، ۴۴۸۰۔ الاوائل، ابن ابی عاصم، رقم ۸۰، ۱۹۳۔ مسند بزار، رقم ۶۵۶۶۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۸۱۹۷،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۹۰۲۶، ۱۰۹۲۵۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۳۴۱۴، ۳۴۲۷، ۳۸۲۷، ۳۸۵۶۔ صحیح ابن حبان، رقم ۷۱۶۱، ۷۴۲۳۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۶۵۔ الاوائل، طبرانی، رقم ۸۳۔ الاحادیث الطوال، طبرانی، رقم ۷۔ فوائد تمام، رقم ۲۳۲۔ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ابو نعیم، ۶/ ۲۵۲۔ دلائل النبوۃ، ابو نعیم، رقم ۲۴۷۔ دلائل النبوۃ، بیہقی، ۲/ ۵۲۸۔ ۶/ ۲۶۰۔

۲۔ مسند احمد، رقم ۱۲۰۵۷۔

۳۔ مسند احمد، رقم ۱۳۸۶۸۔

۴۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۱۳۸۹۔

۵۔ صحیح بخاری، رقم ۳۳۲۹۔

۶۔ مسند احمد، رقم ۱۲۰۵۷ میں یہاں یہی سوال 'وَمِنْ أَيْنَ يُشْبِهُ الْوَلَدُ أَبَاهُ وَأُمَّهُ؟' کے الفاظ میں نقل ہوا ہے۔ معنی کے اعتبار سے یہ دونوں اسالیب مترادف ہیں۔ صحیح بخاری، رقم ۳۳۲۹ میں اِس کی جگہ یہ الفاظ ہیں: 'وَمِنْ أَيِّ شَيْءٍ يَنْزِعُ الوَلَدُ إِلَى أَبِيهِ؟ وَمِنْ أَيِّ شَيْءٍ يَنْزِعُ إِلَى أَخْوَالِهِ؟'، ''اور اِس کی کیا وجہ ہے کہ بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے، اور کیا وجہ ہے کہ کبھی اپنے ماموؤں کی شکل وصورت پر ہوتا ہے؟''

۷۔ مسند احمد، رقم ۱۲۰۵۷۔

۸۔ اکثر طرق، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۳۸۶۸ میں یہاں 'بِهِ'، ''اِس بات کی'' کے بجائے 'بِهِنَّ'، ''اِن باتوں کی'' کا لفظ آیا ہے۔

۹۔ صحیح بخاری، رقم ۴۴۸۰۔

۱۰۔ صحیح بخاری، رقم ۴۴۸۰۔

۱۱۔ بعض روایتوں، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۲۰۵۷ میں یہاں 'أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ، فَنَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْمَشْرِقِ فَتَحْشُرُ النَّاسَ إِلَى الْمَغْرِبِ'، ''قیامت کی پہلی علامت ایک آگ ہو گی جو مشرق سے اُٹھے گی اور پھر لوگوں کو مغرب تک لے جا کر جمع کر دے گی'' کے الفاظ آئے ہیں، جب کہ الاوائل، ابن ابی عاصم، رقم ۸۰ میں 'أَوَّلُ شَيْءٍ يَحْشُرُ النَّاسَ نَارٌ تَجِيءُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ تَحْشُرُهُمْ إِلَى الْمَغْرِبِ'، ''پہلی چیز جو لوگوں کو جمع کرے گی، وہ ایک آگ ہو گی جو مشرق کی طرف سے آئے گی اور لوگوں کو مغرب تک لے جا کر جمع کر دے گی'' کے الفاظ ہیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۱۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۷۴۲۳ میں یہاں 'أَوَّلُ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ رَأْسُ ثَوْرٍ وَكَبِدُ حُوتٍ'، ''اہل جنت جو پہلی چیز (جنت میں) کھائیں گے، وہ بیل کی سری اور مچھلی کا جگر ہو گا'' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

۱۳۔ مسند احمد، رقم ۱۲۰۵۷۔

۱۴۔ مسند احمد، رقم ۱۲۰۵۷۔

۱۵۔ صحیح بخاری، رقم ۳۳۲۹ میں آپ کا یہ جواب اِن الفاظ میں نقل ہوا ہے: 'وَأَمَّا الشَّبَهُ فِي الوَلَدِ: فَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَشِيَ المَرْأَةَ فَسَبَقَهَا مَاؤُهُ كَانَ الشَّبَهُ لَهُ، وَإِذَا سَبَقَ مَاؤُهَا كَانَ الشَّبَهُ لَهَا'، ''اور جہاں تک بچے کی مشابہت کی بات ہے تو مرد جب عورت سے ملاقات کرتا ہے، اُس موقع پر اُس کا نطفہ عورت کے نطفے پر سبقت لے جائے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی (مرد کے پانی سے) آگے بڑھ جائے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے''۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۶۔ مسند احمد، رقم ۱۲۰۵۷۔

۱۷۔ مسند احمد، رقم ۱۳۸۶۸۔

۱۸۔ صحیح بخاری، رقم ۳۳۲۹ میں یہاں یہی بات 'وَقَعُوا فِيهِ' کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ معنی کے اعتبار سے یہ دونوں اسالیب مترادف ہیں۔

۱۹۔ مسند احمد، رقم ۱۲۰۵۷۔

۲۰۔ مسند احمد، رقم ۱۲۰۵۷۔

— ۴ —

عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ، قَالَ:[1] كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، فَجَاءَ رَجُلَانِ فَقَالَا: أَتَيْنَاكَ مِنْ عِنْدِ مَرْوَانَ [بْنِ الْحَكَمِ[2]]، فَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ: إِنَّ أَوَّلَ الْآيَاتِ خُرُوجًا خُرُوجُ الدَّجَّالِ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو: كَذَبَ مَرْوَانُ، لَقَدْ سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ حَدِيثًا مَا نَسِيتُهُ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ أَوَّلَ الْآيَاتِ خُرُوجًا طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، أَوْ[3] خُرُوجُ الدَّابَّةِ عَلَى النَّاسِ ضُحًى، فَأَيَّتُهَا كَانَتْ قَبْلَ صَاحِبَتِهَا فَالْأُخْرَى عَلَى إِثْرِهَا قَرِيبًا»[4] قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو: وَأَنَا أَظُنُّ أَوَّلَهَا طُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا.

ابو زرعہ بن عمرو سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ہم عبد اللہ بن عمرو کے پاس بیٹھے تھے کہ دو آدمی آئے اور اُنھوں نے کہا: ہم آپ کے پاس مروان بن حکم کے ہاں سے آئے ہیں۔ ہم نے اُنھیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں نمودار ہونے والی اولین نشانی دجال کا ظہور ہو گا۔ اِس پر عبد اللہ بن عمرو نے کہا: مروان نے صحیح بات نہیں کہی۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس باب میں ایک ایسی بات سن رکھی ہے، جسے میں بھولا نہیں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: سب سے پہلی نشانی جو رونما ہو گی، وہ یہ ہے کہ سورج اپنے غروب کی جگہ سے طلوع ہو گا[1] یا پھر یہ ہو گی کہ زمین کا جانور[2] عین چاشت کے وقت ظاہر ہو جائے گا۔ اِن میں سے جو علامت بھی پہلے ظاہر ہو گی، زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ دوسری بھی اُسی کے پیچھے نمودار ہو جائے گی۔ عبد اللہ بن عمرو کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ اِن میں سے پہلی یہی ہو گی کہ سورج اپنے غروب کی جگہ سے طلوع ہو گا۔[3]

۱۔ یہ اگر کسی حقیقت کی تمثیل نہیں ہے تو الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وقوع قیامت کے وقت زمین کی گردش یک بہ یک الٹ جائے گی اور مشرق مغرب میں تبدیل ہو جائے گا۔

۲۔ اِسے زمین کا جانور، غالباً اِس لیے کہا گیا ہے کہ زمین کے پیٹ سے یہ براہ راست اُسی طرح پیدا ہو جائے گا، جس طرح تمام مخلوقات ابتدا میں پیدا ہوئی ہیں۔ چنانچہ اِسی کے ساتھ اُن تمام قیاسات کی حقیقت بھی واضح

ہو جائے گی جو نظریۂ ارتقا اور اِس طرح کے بعض دوسرے نظریات کی صورت میں اِس وقت زیر بحث ہیں۔

۳۔ پچھلی روایت کے پیش نظر اِنھیں اُس مرحلے کی نشانیاں سمجھنا چاہیے، جب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور لوگ منتظر ہوں گے کہ اب صبح یا شام، کسی بھی وقت قیامت برپا ہو جائے گی۔ اِس کے بعد کسی وقت وہ آگ نمودار ہو گی، جس کا ذکر پیچھے ہوا ہے اور اُس کے ساتھ ہی صور پھونک دیا جائے گا۔ چنانچہ اِس لحاظ سے دیکھیے تو یہی آگ وقوع قیامت کی پہلی علامت بن جائے گی۔

اِن روایتوں کی نسبت اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے تو اِن میں تطبیق کی یہی ایک صورت قرین قیاس ہے، ورنہ ماننا پڑے گا کہ پہلی نشانی کے بارے میں یہ تضادات راویوں کے تصرفات نے پیدا کر دیے ہیں۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً مسند طیالسی، رقم ۲۳۶۲ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات اِن مراجع میں نقل ہوئے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۵۹۷۰، ۳۷۲۸۸۔ مسند احمد، رقم ۶۵۳۱، ۶۸۸۱۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۳۲۶۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۴۱۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۴۰۶۹۔ سنن ابی داود، رقم ۴۳۱۰۔ الاوائل، ابن ابی عاصم، رقم ۶۲۔ تفسیر طبری، رقم ۱۴۲۱۴۔ حدیث السراج، رقم ۲۶۸۷۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۰۵، ۱۰۰۶۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۶۴۵۔ امالی ابن بشران، رقم ۴۷۱۔

۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۲۸۸۔

۳۔ بعض طرق، مثلاً صحیح مسلم، رقم ۲۹۴۱ میں یہاں 'أَوْ' کے بجائے 'وَ' کا حرف نقل ہوا ہے۔

۴۔ بعض روایتوں، مثلاً مسند احمد، رقم ۶۵۳۱ میں یہاں 'فَالْأُخْرَی مِنْهَا قَرِیبٌ'، ''زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ دوسری بھی نمودار ہو جائے گی'' کا اسلوب ہے۔

ــــ ۵ ــــ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ:[۱] «ثَلَاثٌ إِذَا خَرَجْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ، أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا:

طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَالدَّجَّالُ، وَدَابَّةُ الْأَرْضِ».

ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین نشانیاں ایسی ہیں کہ جب وہ نمودار ہو جائیں گی تو اُس وقت کسی ایسے شخص کو اُس کا ایمان کچھ نفع نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اپنے ایمان میں اُس نے کوئی بھلائی نہ کمائی ہو۔[1] ایک سورج کا اپنے مغرب سے طلوع ہونا، دوسرے دجال[2] اور تیسرے زمین کا جانور۔

۱۔ آگے جن تین نشانیوں کا ذکر ہے، یہ بات اِنھی کے بارے میں غالباً اِس لیے کہی گئی ہے کہ یہ اگر فی الواقع اُسی طرح نمودار ہو جائیں، جس طرح کہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے تو اِن کے ظہور کی کوئی دوسری توجیہ اِس کے علاوہ کسی شخص کے لیے کرنا ممکن نہیں ہو گا کہ یہ اُسی قیامت کی نشانیاں ہیں، جس کی خبر اللہ کے پیغمبر ہمیشہ دیتے رہے ہیں۔ دوسری نشانیوں پر، اگر غور کیجیے تو اُن کے بارے میں کچھ نہ کچھ سخن سازی لوگ ہر وقت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ حجاب کسی حد تک باقی رہتا ہے جو آزمایش کے لیے ضروری ہے۔

۲۔ یہ بڑے دغا باز، فریبی اور مکار کے معنی میں اسم صفت ہے۔ اِس باب کی روایتوں میں اِس کا ذکر مختلف ناموں سے ہوا ہے، جن میں سے ایک 'المسيح الدجال' بھی ہے۔ یہ اُسی طرح کی ترکیب ہے، جیسے کسی شخص کو 'النبي الكاذب' کہا جائے۔ لفظ 'النبي' جس طرح اصطلاح بن چکا ہے، لفظ 'المسيح' کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اِسے کسی طرح بھی اِس کے لغوی مفہوم میں نہیں لیا جا سکتا ہے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ وہی بات کہنا مقصود ہوتی جو علما نے بالعموم اِس سے سمجھی ہے تو اُس کے لیے موزوں ترکیب 'الدجال الممسوح' کی تھی۔ 'الدجال' کو صفت کے مقام پر رکھ کر اُس سے پہلے لفظ 'المسيح' کا استعمال اُس کے لیے کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ چنانچہ لفظ 'المسيح' پر الف لام ہمارے نزدیک عہد کا ہے اور اِس سے مراد وہ 'مسیح' ہے جس کی بعثت کے یہود صدیوں سے منتظر تھے۔ اِس انتظار کی وجہ اُن کے نبیوں کی یہ پیشین گوئی تھی کہ اُن کے پروردگار کی طرف سے ایک 'مسیح' آنے والا ہے جو اُس ذلت سے اُنھیں نجات دلائے گا جس میں وہ صدیوں سے مبتلا ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت اِسی پیشین گوئی کے مطابق اور اِس کے حقیقی مصداق کی حیثیت سے ہوئی، مگر وہ اُنھیں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے، لہٰذا اب بھی ہمہ وقت چشم براہ ہیں کہ اُن کے اِس "مسیح موعود" کی بعثت کسی وقت لازماً ہو گی۔ صاحب "تفہیم القرآن" مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی نے لکھا ہے:

”... اس معاملے کی حقیقت کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ یہودیوں کی تاریخ اور اُن کے مذہبی تصورات سے واقف نہ ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل پے در پے تنزل کی حالت میں مبتلا ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ آخر کار بابل اور اسیریا کی سلطنتوں نے اُن کو غلام بنا کر زمین میں تتر بتر کر دیا، تو انبیاے بنی اسرائیل نے اُن کو خوش خبری دینی شروع کی کہ خدا کی طرف سے ایک ”مسیح“ آنے والا ہے جو اُن کو اِس ذلت سے نجات دلائے گا۔ ان پیشین گوئیوں کی بنا پر یہودی ایک مسیح کی آمد کے متوقع تھے جو بادشاہ ہو، لڑ کر ملک فتح کرے، بنی اسرائیل کو ملک ملک سے لا کر فلسطین میں جمع کر دے، اور اُن کی ایک زبردست سلطنت قائم کر دے۔ لیکن اُن کی اِن توقعات کے خلاف جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام خدا کی طرف سے مسیح ہو کر آئے اور کوئی لشکر ساتھ نہ لائے تو یہودیوں نے اُن کی مسیحیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اُنھیں ہلاک کرنے کے درپے ہو گئے۔ اُس وقت سے آج تک دنیا بھر کے یہودی اُس مسیح موعود (Promised Messiah) کے منتظر ہیں جس کے آنے کی خوش خبریاں اُن کو دی گئی تھیں۔ اُن کا لٹریچر اس آنے والے دور کے سہانے خوابوں سے بھرا پڑا ہے۔ تلمود اور ربّیوں کے ادبیات میں اُس کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے، اُس کی خیالی لذت کے سہارے صدیوں سے یہودی جی رہے ہیں اور یہ امید لیے بیٹھے ہیں کہ یہ مسیح موعود ایک زبردست جنگی و سیاسی لیڈر ہو گا جو دریائے نیل سے دریائے فرات تک کا علاقہ، (جسے یہودی اپنی میراث کا ملک سمجھتے ہیں) اُنھیں واپس دلائے گا، اور دنیا کے گوشے گوشے سے یہودیوں کو لا کر اِس ملک میں پھر سے جمع کر دے گا۔“ (۱۶۵/۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اِسی کے بارے میں فرمایا ہے کہ کوئی دجال یہود کے اندر سے اُن کا ”مسیح موعود“ بن کر اٹھے گا اور لوگوں کے لیے ایک عظیم فتنہ برپا کر دے گا۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۱۵۸ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات اِن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۵۹۶۔ مسند اسحاق بن راہویہ، رقم ۲۱۸۔ مسند احمد، رقم ۹۷۵۲۔ سنن ترمذی، رقم ۳۰۷۲۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۶۱۷۲۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۲۳۔ المسند المستخرج علی صحیح مسلم، ابو نعیم، رقم ۳۹۶۔ السنن الواردۃ فی الفتن، دانی، رقم ۶۹۵۔ الاعتقاد، بیہقی ۲۱۳۔

— ٦ —

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ الْغِفَارِيِّ، قَالَ:[١] اطَّلَعَ[٢] النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا [مِنْ غُرْفَةٍ لَهُ[٣]] وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ، فَقَالَ: «مَا تَذَاكَرُونَ؟» قَالُوا: نَذْكُرُ السَّاعَةَ،[٤] قَالَ: «إِنَّهَا لَنْ تَقُومَ حَتَّى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ: -فَذَكَرَ- الدُّخَانَ، وَالدَّجَّالَ، وَ[خُرُوجَ[٥]] الدَّابَّةَ،[٦] وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَنُزُولَ[٧] عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، وَ[فَتْحَ[٨]] يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ: خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ،[٩] وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَآخِرُ ذَلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ، [مِنْ قَعْرِ عَدَنِ أَبْيَنَ،[١٠]] تَطْرُدُ[١١] النَّاسَ إِلَى مَحْشَرِهِمْ،[١٢] [تَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا، وَتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا[١٣]]».

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حذیفہ بن اسید غفاری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ہم باہم گفتگو کر رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک کمرے سے ہماری طرف جھانکتے ہوئے پوچھا: تم کس موضوع پر بات کر رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: قیامت اُس وقت تک ہرگز قائم نہیں ہوگی جب تک اُس سے پہلے تم دس نشانیاں نہیں دیکھ لوگے۔ پھر آپ نے اُن علامات کو اِس طرح بیان فرمایا: دھواں،[١] دجال، زمین کے جانور کا ظہور، سورج کا اپنے غروب کی جگہ سے طلوع ہونا،[٢] عیسیٰ ابن مریم کا نزول،[٣] یاجوج وماجوج کو کھول دینا،[٤] تین خطوں، یعنی مشرق، مغرب اور جزیرہ نماے عرب میں زمین کا دھنس جانا۔ اور آخر میں یمن میں ابین کے شہر عدن کے گڑھے سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر اُن کے محشر کی طرف لے جائے

گی،[5] یہ آگ، جہاں لوگ رات گزاریں گے، اُن کے ساتھ وہیں رات گزارے گی اور جہاں وہ قیلولہ کریں گے، اُن کے ساتھ وہیں قیلولہ کرے گی۔[6]

۱۔ اِس سے مراد کوئی بڑا ایٹمی انفجار بھی ہو سکتا ہے۔

۲۔ یہ اور اِس سے پہلے جو نشانیاں بیان ہوئی ہیں، اُن کی وضاحت ہم روایات ۴ اور ۵ کے تحت کر چکے ہیں۔

۳۔ اِس روایت کے جو اختلافات متن کے حواشی میں بیان ہوئے ہیں، اُن سے واضح ہے کہ اِس کا ایک طریق وہ بھی ہے جس میں نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی جگہ 'ريح تلقي الناس في البحر'، ''ایک ہوا جو لوگوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دے گی'' کی نشانی بیان ہوئی ہے۔ اِس کا حوالہ متن کے حواشی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ طریق اگرچہ موقوف ہے، لیکن ہمارے نزدیک دو وجوہ سے اِس کو مضمون کے لحاظ سے ترجیح حاصل ہے۔ چنانچہ دسویں نشانی اِسی ہوا کو سمجھنا چاہیے:

ایک اِس وجہ سے کہ نزول مسیح کا جو وقت آگے ایک روایت میں بیان ہوا ہے، وہ فتح قسطنطنیہ کے فوراً بعد تھا۔ یہ فتح ۱۴۵۳ء میں ہو چکی ہے۔ ہر صاحب علم اِس بات سے واقف ہے کہ اُس کے بعد اس طرح کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔

دوسرے اِس وجہ سے کہ مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو تصریحات قرآن میں وارد ہیں، اُن کے اِس نزول کو کسی طرح قبول نہیں کرتیں۔ چنانچہ اپنی کتاب ''میزان'' کے باب ''ایمانیات'' میں ''قیامت کی علامات'' کے زیر عنوان ہم نے لکھا ہے:

''اولاً، اِس لیے کہ مسیح علیہ السلام کی شخصیت قرآن مجید میں کئی پہلوؤں سے زیر بحث آئی ہے۔ اُن کی دعوت اور شخصیت پر قرآن نے جگہ جگہ تبصرہ کیا ہے۔ روز قیامت کی ہلچل بھی قرآن کا خاص موضوع ہے۔ ایک جلیل القدر پیغمبر کے زندہ آسمان سے نازل ہو جانے کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ لیکن موقع بیان کے باوجود اِس واقعے کی طرف کوئی ادنیٰ اشارہ بھی قرآن کے بین الدفتین کسی جگہ مذکور نہیں ہے۔ علم و عقل اِس خاموشی پر مطمئن ہو سکتے ہیں؟ اِسے باور کرنا آسان نہیں ہے۔

ثانیاً، اِس لیے کہ سورۂ مائدہ میں قرآن نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے جو قیامت کے دن ہو گا۔ اُس میں اللہ تعالیٰ اُن سے نصاریٰ کی اصل گم راہی کے بارے میں پوچھیں گے کہ کیا تم نے یہ تعلیم اِنھیں دی تھی کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کے سوا معبود بناؤ۔ اِس کے جواب میں وہ دوسری باتوں

کے ساتھ یہ بھی کہیں گے کہ میں نے تو اِن سے وہی بات کہی جس کا آپ نے حکم دیا تھا اور جب تک میں اِن کے اندر موجود رہا، اُس وقت تک دیکھتا رہا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ لیکن جب آپ نے مجھے اٹھا لیا تو میں نہیں جانتا کہ اِنھوں نے کیا بنایا اور کیا بگاڑا ہے۔ اِس کے بعد تو آپ ہی اِن کے نگران رہے ہیں۔ اِس میں دیکھ لیجیے، مسیح علیہ السلام اگر ایک مرتبہ پھر دنیا میں آ چکے ہیں تو یہ آخری جملہ کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ اِس کے بعد تو اُنھیں کہنا چاہیے کہ میں اِن کی گم راہی کو اچھی طرح جانتا ہوں اور ابھی کچھ دیر پہلے اِنھیں اُس پر متنبہ کر کے آیا ہوں۔ فرمایا ہے:

مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِیۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیۡ وَرَبَّكُمۡ ۚ وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِیۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَاَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ شَهِيۡدٌ. (المائدہ ۵: ۱۱۷)

”میں نے تو اُن سے وہی بات کہی تھی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی۔ میں اُن پر نگران رہا، جب تک میں اُن کے درمیان تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے وفات دی تو اُس کے بعد آپ ہی اُن کے نگران رہے ہیں اور آپ ہر چیز پر گواہ ہیں۔“

ثالثاً، اِس لیے کہ سورۂ آل عمران کی ایک آیت میں قرآن نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں قیامت تک کا لائحۂ عمل بیان فرمایا ہے۔ یہ موقع تھا کہ قیامت تک کے الفاظ کی صراحت کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ وہ چیزیں بیان کر رہے تھے جو اُن کے اور اُن کے پیرووں کے ساتھ ہونے والی ہیں تو یہ بھی بیان کر دیتے کہ قیامت سے پہلے میں ایک مرتبہ پھر تجھے دنیا میں بھیجنے والا ہوں، مگر اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ سیدنا مسیح کو آنا ہے تو یہ خاموشی کیوں ہے؟ اِس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ آیت یہ ہے:

اِنِّیۡ مُتَوَفِّيۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَجَاعِلُ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ فِيۡمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ. (۳: ۵۵)

”میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا اور تیرے اِن منکروں سے تجھے پاک کروں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت کے دن تک اِن منکروں پر غالب رکھوں گا۔ پھر تم سب کو بالآخر میرے پاس آنا ہے۔ سو اُس وقت میں تمھارے درمیان اُن چیزوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔“““(۱۸۲)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۴۔اِن کا ذکر سورۂ انبیا (۲۱) کی آیات ۹۶-۹۷ میں بھی ہوا ہے۔ یہ دونوں نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد میں سے ہیں، جو ایشیا کے شمال مشرقی علاقوں میں آباد ہوئی۔ بائیبل کی کتاب پیدایش میں ہے:

”نوح کے بیٹوں سم، حام اور یافت کی اولاد یہ ہیں۔ طوفان کے بعد اُن کے ہاں بیٹے پیدا ہوئے۔ بنی یافت یہ ہیں۔ جمر اور ماجوج اور مادی اور یاوان اور توبل اور مسک اور تیراس۔ اور جمر کے بیٹے اشکناز اور ریفت اور تجرمہ۔ اور یاوان کے بیٹے الیسہ اور ترسیس۔ کتّی اور دودانی۔ قوموں کے جزیرے اِن ہی کی نسل میں بٹ کر ہر ایک کی زبان اور قبیلہ کے مطابق مختلف ملک اور گروہ ہو گئے۔“ (۱۰: ۱-۵)

یہی بیان مسلمان مورخین کا بھی ہے۔ ملاحظہ ہو: الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر ۱/ ۶۸۔ البدایۃ والنہایۃ ۱/ ۱۷۵۔ ابن خلدون نے تصریح کی ہے کہ علماے انساب یافث کی باقی اولاد کے بارے میں تو اختلافات بھی بیان کرتے ہیں، مگر اِس پر متفق ہیں کہ یہ دونوں اُسی کی ذریت ہیں، 'وأما یافث فمن ولده الترك والصین والصقالبة ویأجوج ومأجوج باتفاق من النسابین' (تاریخ ۲/ ۱۰)۔

بائیبل کے صحیفہ حزقی ایل کے باب ۳۸، ۳۹ میں اِن کا تعارف روس، ماسکو اور توبالسک کے فرماں روا کی حیثیت سے کرایا گیا ہے۔ بعد میں یہی ہیں جو تاتاری، ہن، منگول اور سیتھین کے ناموں سے بھی مشہور ہوئے۔ چنانچہ اسرائیلی مورخ یوسیفوس اِن سے مراد سیتھین قوم لیتا ہے اور جیروم کا بیان ہے کہ ماجوج کاکیشیا کے شمال میں بحر خَزر کے قریب آباد تھے۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ اِنھی کے بعض قبائل یورپ پہنچے اور اِس کے بعد اُن لوگوں میں بھی شامل ہوئے، جنھوں نے امریکا اور آسٹریلیا کو آباد کیا ہے۔ یوحنا عارف کا جو مکاشفہ بائیبل کے آخر میں نقل ہوتا ہے، اُس کی رو سے اِن کے خروج کی ابتدا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ایک ہزار سال بعد کسی وقت ہو گی۔ جس کے آخر میں یہ زمین کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گے۔ اِن کا فساد جب انتہا کو پہنچے گا تو ایک آگ آسمان سے اترے گی اور قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا:

”اور جب ہزار برس پُورے ہو چکیں گے تو شَیطان قَید سے چھوڑ دِیا جائے گا۔ اور اُن قَوموں کو جو زمین کی چاروں طرف ہوں گی یعنی جُوج و ماجُوج کو گُمراہ کر کے لڑائی کے لیے جمع کرنے کو نِکلے گا۔ اُن کا شُمار سُمندر کی ریت کے برابر ہو گا۔ اور وہ تمام زمین پر پھَیل جائیں گی اور مُقدّسوں کی لشکر گاہ اور عزِیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی اور آسمان پر سے آگ نازِل ہو کر اُنھیں کھا جائے گی“۔ (مکاشفہ ۲۰: ۷-۹)

یہ پیشین گوئی بھی حرف بہ حرف پوری ہوئی ہے اور گذشتہ کئی صدیوں سے یاجوج و ماجوج کا خروج شروع

ہو چکا ہے۔ اِس وقت عالمی سطح پر اِنھی کی حکومت قائم ہے اور اِن کا یہ خروج مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے اب اپنے عروج کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اِس کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: فیض الباری، انور شاہ کشمیری ۴/ ۱۹۷۔ ترجمان القرآن، ابوالکلام آزاد ۲/ ۴۲۱-۴۲۳ اور تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی ۳/ ۴۳-۴۶۔

۵۔ یہ وقوع قیامت کی پہلی اور تمام نشانیوں میں آخری نشانی ہے، جس کے بعد وہ ہوا چلے گی جو لوگوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دے گی۔ اِس ہوا کو آخری نشانی، غالباً اِس لیے نہیں کہا گیا کہ یہ نشانی سے زیادہ اُن لوگوں کے لیے گویا خود قیامت کی ابتدا ہے، جو اِس کے نتیجے میں سمندر کی نذر ہو جائیں گے۔

۶۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کا پیچھا نہیں چھوڑے گی، یہاں تک کہ اُنھیں ہانک کر محشر میں لے جائے گی۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً صحیح مسلم، رقم ۲۹۰۱ سے لیا گیا ہے۔ متن کے کچھ اختلافات کے ساتھ اِس کے باقی طرق اِن مراجع میں نقل ہوئے ہیں: الزہد والرقائق، ابن مبارک، رقم ۱۶۰۶۔ مسند طیالسی، رقم ۱۱۶۳۔ مسند حمیدی، رقم ۸۴۹۔ مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۸۱۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۶۴، ۳۷۵۴۲۔ مسند احمد، رقم ۱۶۱۴۱، ۱۶۱۴۳، ۱۶۱۴۴، ۲۳۸۷۸۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۰۱۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۴۰۵۵۔ اخبار مکۃ، فاکہی، رقم ۲۳۴۹۔ سنن ابی داود، رقم ۴۳۱۱۔ سنن ترمذی، رقم ۲۱۸۳۔ الآحاد والمثانی، ابن ابی عاصم، رقم ۱۰۱۲۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۱۳۱۶، ۱۱۴۱۸۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۹۵۹، ۹۶۰۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۷۹۱، ۶۸۴۳۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۰۲۸، ۳۰۲۹، ۳۰۳۰، ۳۰۳۱، ۳۰۳۳۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۴۔ معرفۃ الصحابۃ، ابو نعیم، رقم ۱۸۶۵۔ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ۱/ ۳۵۵۔

حذیفہ بن اسید کے علاوہ متن کے معمولی اختلاف کے ساتھ یہ روایت واثلہ بن اسقع کی وساطت سے بھی نقل ہوئی ہے، جیسے مسند شامیین، طبرانی، رقم ۸۶۴ اور المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۹۵ میں دیکھ لیا جا سکتا ہے۔

حذیفہ بن اسید کی روایت کے تمام متون کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں قیامت کی مندرجہ بالا دس نشانیوں کو بیان کرنے میں راویوں کے ہاں بہت اضطراب و اختلاف پایا جاتا ہے۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ روایت کے تمام طرق میں یہ بات نقل ہونے کے بعد کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اُس وقت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تک قائم نہیں ہو گی، جب تک لوگوں کے سامنے اُس کی دس نشانیاں نہ آ جائیں، خود اِن دس نشانیوں کو نقل کرنے میں راویوں کے حفظ و اتقان میں کچھ نقص اور اُن کے بیانات میں اختلافات ہیں۔

بعض روایتوں، مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۶۴ میں راوی اِن دس نشانیوں میں سے صرف دو بیان کر پائے ہیں اور وہ 'سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' اور 'خروج دجال' ہے۔ باقی آٹھ نشانیوں کا اُنھوں نے ذکر ہی نہیں کیا۔

سنن ابن ماجہ، رقم ۴۰۴۱ میں 'دھویں' کے اضافے کے ساتھ تین نشانیاں بیان ہوئی ہیں۔ باقی نشانیوں کا اُس میں بھی ذکر نہیں ہے۔

الکنیٰ والاسماء، دولابی، رقم ۴۰۶ میں راوی پانچ نشانیاں بیان کر پائے ہیں اور وہ یہ ہیں: خروج دجال، دھواں، زمین کے جانور کا خروج، مشرق میں اور جزیرہ نماے عرب میں زمین کا دھنس جانا۔ اِس طریق میں باقی پانچ نشانیاں مذکور نہیں ہیں۔

مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۸۱۷ میں دس نشانیوں میں سے آٹھ نقل ہوئی ہیں اور وہاں 'دھویں' اور 'نزول مسیح' کا ذکر نہیں ہے۔ باقی آٹھ نشانیاں وہی ہیں جن کا ذکر اوپر مرکزی متن میں آیا ہے۔

تین طرق ایسے ہیں جن میں راویوں نے دس میں سے نو نشانیاں بیان کی ہیں، جب کہ اُن تینوں میں 'نزول مسیح' کا ذکر نہیں ہے۔ وہ طرق یہ ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۵۴۲۔ الآحاد والمثانی، ابن ابی عاصم، رقم ۱۰۱۲۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۰۳۱۔

علاوہ ازیں المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۰۲۸ کا ایک طریق ایسا ہے جس میں نو نشانیاں مذکور ہیں، لیکن اُس میں غیر مذکور دسویں نشانی 'نزول مسیح' کے بجاے 'دھواں' ہے۔

حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ابونعیم میں ایک طریق ایسا ہے جس میں 'نزول مسیح' کو دسویں نشانی کے طور پر راوی نے بیان تو کیا ہے، مگر اُس کا اسلوب شک کا ہے۔ ملاحظہ ہو: ۱/۳۵۵۔

اِسی طرح الایمان، ابن مندہ کی روایت، رقم ۱۰۰۱ میں دس نشانیاں پوری بیان ہوئی ہیں، لیکن اُس میں ایک نشانی کے بارے میں مرکزی متن میں اوپر بیان ہونے والی نشانیوں سے ایک نیا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ اُس میں 'یاجوج وماجوج کے خروج' کا ذکر نہیں ہے، بلکہ اِس کی جگہ ایک ایسی پیلی آندھی کا ذکر ہے جو یمن کی طرف سے آئے گی اور ہر بندۂ مومن کی روح قبض کر لے گی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مزید برآں، روایت کے متعدد طرق ایسے ہیں جن میں دسویں نشانی کے بارے میں راویوں کا ایک متعین اختلاف بیان ہوا ہے۔ ایک راوی کا کہنا ہے کہ دسویں نشانی ’نزول مسیح‘ ہے، جب کہ دوسرے راوی کا بیان ہے کہ یہ نشانی ایک ایسی آندھی کی ہے جو لوگوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دے گی۔ متن کے اِس اضطراب کو بیان کرنے والے طرق یہ ہیں: مسند احمد، رقم ۱۶۱۴۳، ۲۳۸۷۸۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۰۱۔ سنن ترمذی، رقم ۲۱۸۳۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۰۲۔

اِسی طرح ایک ایسی روایت بھی ہے جس میں راویوں نے کل نشانیاں دس کے بجاے گیارہ بیان کر دی ہیں۔ اور وہ اِس طرح کہ اُس میں باقی نو نشانیوں کے علاوہ ’نزول مسیح‘ اور ’لوگوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دینے والی آندھی‘ کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو: معرفۃ الصحابۃ، ابو نعیم، رقم ۱۸۶۵۔

متن کے اختلاف واضطراب کے مندرجہ بالا وجوہ کے علاوہ اِس روایت کی سند میں بھی راویوں کا ایک اختلاف نقل ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ بعض راویوں کا کہنا ہے کہ روایت میں یہ دس نشانیاں حذیفہ بن اسید کے اپنے قول کے طور پر نقل ہوئی ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے طور پر مروی نہیں ہیں، چنانچہ یہ ایک موقوف روایت ہے۔ راویوں کے مابین سند کے رفع ووقف کا یہ اختلاف جن روایتوں کی اسانید میں دیکھ لیا جا سکتا ہے، اُن کے مراجع یہ ہیں: مسند احمد، رقم ۱۶۱۴۳، ۲۳۸۷۸۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۰۱۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۰۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۷۹۱۔

۲۔ کئی طرق، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۶۱۴۴ میں یہاں ’اطَّلَعَ‘ کے بجاے ’أَشْرَفَ‘ کا لفظ آیا ہے۔ معنی کے اعتبار سے دونوں مترادف ہیں۔

۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۵۴۲۔

۴۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۱۳۱۶ میں اِنھی حذیفہ سے واقعے کی یہ ابتدا اِس طرح نقل ہوئی ہے کہ ’كُنَّا نَتَحَدَّثُ فِي ظِلِّ غُرْفَةٍ لِرَسُولِ اللهِ فَذَكَرْنَا السَّاعَةَ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا، فَأَشْرَفَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غُرْفَتِهِ فَقَالَ: «عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ؟» أَوْ «عَمَّ يَتَحَدَّثُونَ؟» قُلْنَا: ذِكْرُ السَّاعَةِ‘، ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کمرے کے سایے میں گفتگو کر رہے تھے، اِس دوران میں ہم نے قیامت کا تذکرہ کیا تو اُس وقت ہماری آوازیں اونچی ہو گئی تھیں، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمرے سے ہماری طرف جھانکا اور فرمایا: لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

پوچھ رہے ہیں؟ یا فرمایا کہ لوگ کس چیز کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں؟ ہم نے عرض کیا: قیامت کا ذکر ہو رہا ہے''۔

۵۔ سنن ابی داود، رقم ۴۳۱۱۔

۶۔ بعض روایتوں، مثلاً مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۸۱۷ میں یہاں 'دَابَّةُ الْأَرْضِ'، ''زمین کا جانور'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۷۔ بعض طرق، مثلاً سنن ابن ماجہ، رقم ۴۰۵۵ میں یہاں 'نُزُول'، ''اترنا'' کے بجائے 'خُرُوج'، ''ظاہر ہونا'' کا لفظ نقل ہوا ہے۔

۸۔ مسند طیالسی، رقم ۱۱۶۳۔ بعض روایتوں، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۶۱۴۴ میں یہاں 'فَتْح'، ''کھول دینے'' کے بجائے 'خُرُوج'، ''ظاہر ہونے'' کا لفظ آیا ہے۔

۹۔ المعجم الصغیر، طبرانی رقم ۱۰۷ میں انس بن مالک سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: 'ذُكِرَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَسْفٌ قِبَلَ الْمَشْرِقِ، فَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: يَا رَسُولَ اللهِ يُخْسَفُ بِأَرْضٍ فِيهَا الْمُسْلِمُونَ؟ فَقَالَ: «نَعَمْ، إِذَا كَانَ أَكْثَرُ أَهْلِهَا الْخُبُثَ»'۔ انس کی یہی روایت طبرانی نے المعجم الاوسط، رقم ۱۸۴۱ میں بھی نقل کی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۰۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۴۰۵۵۔

۱۱۔ کئی طرق، مثلاً مسند طیالسی، رقم ۱۱۶۳ میں یہاں 'تَطْرُدُ' کے بجائے 'تَسُوقُ' کا لفظ آیا ہے، جب کہ بعض روایتوں، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۶۱۴۳ میں 'تُرَحِّلُ' کا لفظ روایت ہوا ہے۔ معنی کے لحاظ سے اِن تینوں الفاظ میں یہاں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔

۱۲۔ اکثر طرق، مثلاً سنن ابن ماجہ، رقم ۴۰۵۵ میں یہاں 'مَحْشَرِهِمْ' کی ترکیب اضافی کے اسلوب کے بجائے لام تعریف کے ساتھ لفظ 'الْمَحْشَرِ' آیا ہے۔ واثلہ بن اسقع سے منقول دو روایتوں میں یہاں یہ الفاظ آئے ہیں: 'تَسُوقُ النَّاسَ إِلَى الْمَحْشَرِ تَحْشُرُ الذَّرَّ وَالنَّمْلَ'، ''لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جائے گی، ذرات اور چیونٹیوں تک کو جمع کر دے گی''۔ ملاحظہ ہو: مسند شامیین، طبرانی، رقم ۸۶۴۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۹۵۔

۱۳۔ مسند احمد، رقم ۱۶۱۴۴۔ کئی طرق، مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۵۴۲ میں یہاں 'تَنْزِلُ مَعَهُمْ

إِذَا نَزَلُوا، وَتَقِيلُ مَعَهُمْ إِذَا قَالُوا‘، ”یہ آگ، جب لوگ پڑاؤ ڈالیں گے، اُن کے ساتھ پڑاؤ ڈالے گی اور جب وہ قیلولہ کریں گے، اُن کے ساتھ قیلولہ کرے گی“ کے الفاظ روایت ہوئے ہیں، جب کہ بعض روایتوں، مثلاً شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۹۵۹ میں ’تَقِيلُ مَعَهُمْ إِذَا قَالُوا، وَتَرُوحُ مَعَهُمْ إِذَا رَاحُوا‘، ”جب لوگ قیلولہ کریں گے، اُن کے ساتھ قیلولہ کرے گی اور جب وہ کوچ کریں گے، اُنھی کے ساتھ کوچ کرے گی“ کے الفاظ ہیں۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد عمار خان ناصر

”میزان“ ـــــ توضیحی مطالعہ

قانون معاشرت

(۴)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

تعدد ازواج

”... یہ آیت اصلاً تعدد ازواج سے متعلق کوئی حکم بیان کرنے کے لیے نازل نہیں ہوئی، بلکہ یتیموں کی مصلحت کے پیش نظر تعدد ازواج کے اُس رواج سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب کے لیے نازل ہوئی ہے جو عرب میں پہلے سے موجود تھا۔ قرآن نے دوسرے مقامات پر صاف اشارہ کیا ہے کہ انسان کی تخلیق جس فطرت پر ہوئی ہے، اُس کی رو سے خاندان کا ادارہ اپنی اصلی خوبیوں کے ساتھ ایک ہی مرد و عورت میں رشتۂ نکاح سے قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ جگہ جگہ بیان ہوا ہے کہ انسانیت کی ابتدا سیدنا آدم سے ہوئی ہے اور اُن کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی بیوی پیدا کی تھی۔ یہ تمدن کی ضروریات اور انسان کے نفسی، سیاسی اور سماجی مصالح ہیں جن کی بنا پر تعدد ازواج کا رواج کم یا زیادہ، ہر معاشرے میں رہا ہے اور اِنھی کی رعایت سے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کسی شریعت میں اِسے ممنوع قرار نہیں دیا۔ یہاں بھی اِسی نوعیت کی ایک مصلحت میں اِس سے فائدہ اٹھانے کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے۔“ (میزان ۴۲۸)

سورۂ نساء کی آیت ۳ میں یتیم بچوں کی پرورش کی ذمہ داری کے سیاق میں مسلمانوں کو حسب استطاعت و ضرورت چار تک نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس آیت کی روشنی میں جمہور اہل علم تعدد ازواج کا حکم

اباحت اور بوقت ضرورت استحباب بیان کرتے ہیں۔ تاہم دور جدید میں بعض اہل علم نے یہ موقف پیش کیا ہے کہ تعدد ازواج کی اجازت عمومی اباحت کے طور پر نہیں ہے، بلکہ یہ اجازت مخصوص حالات، مثلاً جنگ کے نتیجے میں بیواؤں کی دیکھ بھال وغیرہ کے تناظر میں دی گئی ہے اور اس کی نوعیت ایک استثنائی حکم کی ہے جس سے عام حالات میں فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا (عمر احمد عثمانی، فقہ القرآن، خاندانی معاملات ۶۴-۹۴)۔

مصنف کا نقطۂ نظر بنیادی طور پر جمہور اہل علم سے ہم آہنگ ہے اور انھوں نے اس استدلال سے اتفاق نہیں کیا کہ قرآن نے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت خاص استثنائی حالات میں دی تھی، جب کہ عمومی طور پر وہ اس کو ممنوع قرار دینا چاہتا ہے۔ مصنف کے نقطۂ نظر سے، صورت واقعہ یہ ہے کہ تعدد ازواج کا طریقہ نزول قرآن سے پہلے عرب معاشرت میں رائج تھا اور بالکل جائز سمجھا جاتا تھا اور قرآن نے اس کو ممنوع قرار نہیں دیا، بلکہ ایک خاص صورت حال میں اس سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی ہے۔ گویا تعدد ازواج کی پیشگی ممانعت کا ذکر اگر قرآن میں ہوتا یا عرب معاشرت میں اس کا کوئی تصور موجود ہوتا اور قرآن نے اس ممانعت میں استثنا پیدا کرتے ہوئے اس کی اجازت دی ہوتی تو یہ کہنا ممکن تھا کہ یہ اجازت، استثنائی نوعیت رکھتی ہے، لیکن پہلے سے مانی ہوئی ایک اباحت پر عمل کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہو تو اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ یہی معاملہ سابق انبیا کی شریعتوں کا بھی ہے، جن میں کہیں بھی اس کو ممنوع نہیں ٹھیرایا گیا۔

البتہ مصنف کا زاویۂ نظر اس پہلو سے جمہور فقہا کے مقابلے میں سرسید کے نقطۂ نظر کے قریب تر ہے کہ تمدنی وسماجی مصالح کی روشنی میں تعدد ازواج کو مباح ماننے کے باوجود وہ نکاح کے مقاصد کے لحاظ سے اصل اور فطری طریقہ اس کو قرار دیتے ہیں کہ ایک مرد کا رشتہ ایک ہی عورت کے ساتھ قائم ہو۔ سرسید کے الفاظ میں ''فطرت اصلی جب کہ اس میں کوئی اور عوارض داخل نہ ہوں تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ مرد کے لیے ایک ہی عورت ہونی چاہیے، مگر مرد کو جسے امور تمدن سے بہ نسبت عورت کے زیادہ تر تعلق ہے، ایسے امور پیش آتے جن سے بعض اوقات اس کو اس اصلی قانون سے عدول کرنا پڑتا ہے اور حقیقت میں وہ عدول نہیں ہوتا'' (مقالات سرسید ۱۳/ ۲۶۰)۔ مصنف نے اس کے لیے سیدنا آدم کے لیے ایک ہی بیوی کے انتخاب سے استدلال کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تعدد ازواج کا طریقہ رشتۂ نکاح کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھنے والا ہوتا تو سیدنا آدم کے لیے بھی ایک سے زیادہ بیویاں پیدا کی جا سکتی تھیں۔ یہ استدلال مولانا عمر احمد عثمانی کے ہاں زیادہ واضح الفاظ میں ملتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں: ''ابتداء ایک نر اور ایک مادہ تھی۔ ایک نر کے لیے، چند مادائیں پیدا نہیں کی گئی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تھیں، حالاں کہ اضافۂ نسل کے لیے اس وقت اس کی خصوصیت کے ساتھ زیادہ ضرورت بھی تھی'' (فقہ القرآن، خاندانی معاملات ۶۷)۔ سیدنا آدم کے علاوہ مصنف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بھی اسی نوعیت کا استنباط کیا ہے جس کی تفصیل آیندہ سطور میں کی جائے گی۔

اسی بنیاد پر مصنف کا نقطۂ نظر تعدد ازواج پر اجتہاداً پابندی لگانے کے ضمن میں بھی اہل علم کی عمومی راے سے مختلف ہو جاتا ہے جس کی مختصر وضاحت حسب ذیل ہے:

فقہا کے مابین اس حوالے سے اختلاف راے پایا جاتا ہے کہ اگر بیوی نے نکاح کے وقت یہ شرط عائد کی ہو کہ شوہر اس کے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں کرے گا تو اس کی پابندی آیا شوہر پر لازم ہو گی یا نہیں؟ جمہور فقہا اس شرط کو درست تسلیم نہیں کرتے اور اگر نکاح میں ایسی کوئی شرط طے کی گئی ہو تو اسے کالعدم قرار دیتے ہیں۔ البتہ حنابلہ کے نزدیک خاوند اس شرط کا پابند ہے اور اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ حنابلہ کا استدلال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ظاہری عموم سے ہے کہ جو شرطیں پورا کیے جانے کا سب سے زیادہ حق رکھتی ہیں، وہ ایسی شرطیں ہیں جو شوہروں نے نکاح کرتے وقت بیویوں کے لیے تسلیم کی ہوں (ابن تیمیہ، الفتاویٰ الکبریٰ ۸/۳ ۷۔ السید سابق، فقہ السنۃ ۵۵۵)۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

علامہ ابن القیم نے مزید یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگر عقد نکاح میں باقاعدہ شرط نہ لگائی گئی ہو، لیکن عورت کے خاندان میں عرفاً اس کو قبول نہ کیا جاتا ہو کہ اس پر سوتن لائی جائے تو اس کی حیثیت بھی ایسے ہی ہے جیسے عقد نکاح میں طے کی گئی شرط کی ہوتی ہے اور شوہر پر اس کی پابندی بھی لازم ہو گی۔ لکھتے ہیں:

أن الرجل إذا شرط لزوجته أن لا يتزوج عليها لزمه الوفاء بالشرط ومتى تزوج عليها فلها الفسخ — وعلى هذا فلو فرض أن المراة من بيت لا يتزوج الرجل على نسائهم ضرة ولا يمكنونه من ذلك وعادتهم مستمرة بذلك كان كالمشروط لفظًا، وكذلك لو كانت ممن يعلم أنها لا تمكن

''اگر آدمی نے بیوی کی یہ شرط قبول کی ہو کہ وہ اس کے ساتھ کسی اور سے نکاح نہیں کرے گا تو اس پر شرط کو پورا کرنا لازم ہے اور اگر وہ دوسرا نکاح کرے تو بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار ہو گا۔ اس اصول کی روشنی میں اگر یہ فرض کیا جائے کہ عورت کا تعلق ایسے گھرانے سے ہے جن کی خواتین پر شوہر سوکن نہیں لا سکتا اور وہ اس کو ایسا نہیں کرنے دیتے اور ان کے ہاں اسی کو ایک

إدخال الضرة عليها عادة لشرفها وحسبها وجلالتها كان ترك التزوج عليها كالمشروط لفظًا سواء.

(زاد المعاد ۵/۸۲-۸۳)

معمول کی حیثیت حاصل ہے تو اس کی پابندی بھی ایسے ہی ضروری ہوگی جیسے زبانی کیے گئے معاہدے کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح اگر خاتون کے متعلق یہ معلوم ہو کہ اس کے شرف، خاندانی حسب و نسب اور قدر و منزلت کی وجہ سے وہ خود پر کسی سوکن کا لایا جانا قبول نہیں کرے گی تو اس کے شوہر پر بھی سوکن نہ لانے کی پابندی ایسے ہی لازم ہوگی جیسے زبانی طے کی گئی شرط کی صورت میں ہوتی ہے۔''

اسی انداز فکر کے تحت دور جدید میں اہل علم کے ایک گروہ نے یہ رائے پیش کی ہے کہ چونکہ قرآن مجید نے تعدد ازواج کی اجازت دیتے ہوئے اسے عدل وانصاف سے مشروط کیا ہے، جب کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے والے مرد عموماً عدل وانصاف کی اس شرط کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں، اس لیے بیویوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے دوسری شادی پر قانونی پابندی عائد کرنا یا اس کو عدالت کی اجازت اور توثیق سے مشروط کر دینا درست ہے۔ یہ موقف علماے مصر میں سے مفتی محمد عبدہ اور سید رشید رضا اور برصغیر کے اہل علم میں سے، مثلاً سید سلیمان ندوی کے ہاں ملتا ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال کے استفسارات کے جواب میں سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ تعدد ازواج پر عدل کی شرط کی روشنی میں پابندی لگائی جاسکتی ہے (بحوالہ ماہنامہ الشریعہ، مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۴)۔ جسٹس مولانا تنزیل الرحمٰن نے بھی اسی رائے کی تائید کی ہے (مجموعہ قوانین اسلام ۱/۱۳۶-۱۳۷)۔

زیادہ تر اہل علم نے اس طرز استدلال سے اختلاف کیا ہے اور وہ ریاست کو یہ اختیار دینے سے اختلاف رکھتے اور اسے شرعی احکام میں ناروا تصرف کے طور پر دیکھتے ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ میں ''اگر خیال یہ ہے کہ ان اضافوں کے بغیر اسلام کی عائد کردہ شرطیں پوری کرائی نہیں جاسکتیں تو یہ اسلام کا نقص ہوا اور اس بات کو صرف وہی لوگ صحیح مان سکتے ہیں جو اسلام کو ایک دین کامل نہ مانتے ہوں'' (عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ ۱۴۰)۔

تاہم مصنف تعدد ازواج کی اباحت سے متعلق اس پر پابندی عائد کرنے کو اصولاً درست تسلیم کرتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بعض استفسارات کے جواب میں مصنف نے اپنا موقف یوں بیان کیا ہے کہ چونکہ نکاح کا اصل اور فطری رشتہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان قائم ہوتا ہے، جب کہ تعدد ازواج کا طریقہ اضافی تمدنی اسباب سے اختیار کیا جاتا ہے، اس لیے حکومتی و قانونی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے تعدد ازواج پر پابندی لگائی جا سکتی ہے (https://www.youtube.com/watch?v=FbU0OGxEwFk)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح

"... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر کی حیثیت سے اپنی منصبی ذمہ داریوں کے بعض تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تعدد ازواج کے اِن دونوں شرائط سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ چنانچہ معاشرے میں غلاموں کا رتبہ بڑھانے کے لیے جب آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے سیدنا زید سے کیا اور ان دونوں میں نباہ نہیں ہو سکا تو سیدہ کی دل داری اور متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کی حرمت کے جاہلی تصور کو بالکل ختم کر دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ سیدہ سے خود نکاح کر لیں، دراں حالیکہ اُس وقت چار بیویاں پہلے سے آپ کے نکاح میں تھیں۔...

...اِس کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نکاح و طلاق کا ایک مفصل ضابطہ بھی اللہ تعالیٰ نے اِسی سورہ میں بیان کر دیا جس میں تعدد ازواج کے وہ شرائط تو اٹھا دیے گئے جو اوپر بیان ہوئے ہیں، لیکن اِس کے ساتھ بعض ایسی پابندیاں آپ پر عائد کر دی گئیں جو عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہیں۔...

یہ ضابطہ جن نکات پر مبنی ہے، وہ یہ ہیں:

اولاً، سیدہ زینب سے نکاح کے بعد بھی آپ اگر چاہیں تو درج ذیل تین مقاصد کے لیے مزید نکاح کر سکتے ہیں:

۱۔ اُن خاندانی عورتوں کی عزت افزائی کے لیے جو آپ کے کسی جنگی اقدام کے نتیجے میں قیدی بن کر آپ کے قبضے میں آ جائیں۔

۲۔ اُن خواتین کی دل داری کے لیے جو محض حصول نسبت کی غرض سے آپ کے ساتھ نکاح کی خواہش مند ہوں اور آگے بڑھ کر اپنے آپ کو ہبہ کر دیں۔

۳۔ اپنی اُن چچا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد بہنوں کی تالیف قلب کے لیے جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے اور اِس طرح اپنا گھر بار اور اپنے اعزہ و اقربا، سب کو چھوڑ کر آپ کا ساتھ دیا ہے۔...

چنانچہ سیدہ جویریہ اور سیدہ صفیہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مقصد کے لیے نکاح کیا۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

سیدہ میمونہ دوسرے مقصد سے آپ کی ازواج میں شامل ہوئیں اور سیدہ ام حبیبہ کے ساتھ آپ کا نکاح تیسرے مقصد کے پیش نظر ہوا۔“(میزان ۴۳۱-۴۳۴)

سورۂ احزاب کی زیر بحث آیات کی توضیح میں مصنف نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بنیادی طور پر مولانا امین احسن اصلاحی کے نقطۂ نظر پر مبنی ہے جس سے مصنف نے اتفاق کیا ہے۔

کثرت ازواج کے باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی وامتیازی حیثیت اسلامی شریعت کا ایک متفق علیہ امر ہے۔ اہل علم نے اس امتیاز اور خصوصیت کے اسباب اور حکمتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کئی پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ امت کے مقابلے میں آپ کی افضلیت کا ایک تقاضا یہ تھا کہ آپ کے لیے نکاح کے معاملے میں بھی عام امت سے زیادہ گنجایش ہو۔ اسی طرح یہ کہ گھر سے باہر کی زندگی کی طرح آپ کی خانگی زندگی سے واقفیت رکھنے والے افراد بھی تعداد میں زیادہ ہوں اور آپ کی نجی زندگی کے احوال واوصاف پر بھی لوگ مطلع ہو سکیں۔ مختلف عرب قبائل کو صہری رشتے کا شرف بخشنا اور بعض معاند خاندانوں سے تعلق رکھنے والی خواتین، مثلاً سیدہ ام حبیبہ اور سیدہ صفیہ کی تالیف قلب کا بھی اسی ضمن میں ذکر کیا جاتا ہے (دیکھیے، السیوطی، الخصائص الکبریٰ ۲۹۸/۳، ۲۹۹)۔

شاہ ولی اللہ نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ چار نکاحوں کی تحدید بنیادی طور پر سد ذریعہ کی نوعیت کی ہے جس کا مقصد بیویوں کے مابین ناانصافی کے امکان کو روکنا اور ان کے حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنانا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چونکہ یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ آپ حدود کی پابندی نہیں کریں گے اور آپ کی طرف سے امہات المومنین کو ناانصافی کا اندیشہ ہو گا، اس لیے آپ کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا (حجۃ اللہ البالغہ ۲۰۵/۲)۔

دور جدید میں غیر مسلم معترضین کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازواج پر اعتراض کے تناظر میں اہل علم کے ہاں ان شادیوں کے درست پس منظر کی وضاحت کے ساتھ خاص اعتنا دکھائی دیتا ہے اور مصنف نے بھی ”مقامات“ میں اس اعتراض کو موضوع بنایا ہے۔

اس ضمن میں سر سید احمد خان نے یہ رائے پیش کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام نکاح عرب کے عام رواج کے مطابق تحدید ازواج کا حکم نازل ہونے سے پہلے کیے تھے۔ جب سورۂ نساء میں چار تک بیویوں سے نکاح کی تحدید نازل کی گئی تو عام مسلمان پابند تھے کہ اس سے زائد بیویوں کو طلاق دے دیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ساتھ کسی بھی دوسرے شخص کا نکاح چونکہ ممنوع قرار دیا جا چکا تھا، اس لیے آپ پر اس

پابندی کا اطلاق نہیں کیا گیا اور تمام ازواج بدستور آپ کے نکاح میں رہیں (مقالات سرسید ۴/ ۲۴۳)۔

تاہم اہل علم نے عمومی طور پر اس توجیہ سے اتفاق نہیں کیا اور کثرت ازواج کی اجازت کو تحدید کے عمومی حکم میں بعد میں شامل کیا جانے والا ایک استثنا قرار دیا ہے۔ اس کی حکمتوں اور اسباب کی وضاحت کرتے ہوئے دور جدید کے اہل علم شخصی پہلوؤں کے مقابلے میں آپ کی منصبی ذمہ داریوں اور عہد نبوی کی سماجی وسیاسی حکمتوں کے پہلو کو زیادہ نمایاں کرتے ہیں۔ مثلاً مولانا مودودی نے اس کی بنیادی حکمت کے طور پر حسب ذیل تین پہلوؤں کا ذکر کیا ہے:

ایک یہ کہ آپ کی ازواج کو آپ سے براہ راست دین سیکھنے اور تربیت پانے کا موقع ملے اور پھر ان کے ذریعے سے امت کی عام خواتین کی دینی واخلاقی تعلیم وتربیت کا کام لیا جا سکے۔

دوسرا یہ کہ آپ ان نکاحوں کے ذریعے سے مختلف مخالف اور معاند گروہوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر کے اسلام کی راہ میں دعوتی وسیاسی رکاوٹوں کو کم کر سکیں۔

تیسرا یہ کہ زمانۂ جاہلیت کے بعض معاشرتی تصورات، مثلاً متبنیٰ کی بیوی کو حرام سمجھنے کی اصلاح کی جا سکے (تفہیم القرآن ۴/ ۱۱۵-۱۱۶)۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے ان نکات کے ساتھ سورۂ احزاب کی آیات کی روشنی میں مختلف قسم کی خواتین کی دل جوئی، تالیف قلب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت وتعلق کی خواہش کے احترام کو بھی ایک اہم نکتے کے طور پر شامل کیا ہے (تدبر قرآن ۶/ ۲۴۹، ۲۵۰)۔

مصنف نے اس اعتراض کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں سے متعلق جو واقعاتی تفصیل پیش کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی عام بشری حیثیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں ایک ہی خاتون سے نکاح کا فیصلہ فرمایا تھا اور سیدہ خدیجہ کے ہوتے ہوئے آپ نے کسی دوسری خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ سیدہ خدیجہ کی وفات کے بعد آپ نے حضرت سودہ سے نکاح کیا اور سیدہ عائشہ کے ساتھ نکاح کے باوجود انھیں رخصت کر کے اپنے گھر نہیں لائے۔ ہجرت کے بعد جب سیدنا ابو بکر کی فرمایش پر سیدہ عائشہ رخصت ہو کر آپ کے گھر آ گئیں تو آپ نے اسی تناظر میں سیدہ سودہ کو طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا۔ تاہم انھوں نے سیدہ عائشہ کے حق میں اپنے ازدواجی حقوق سے دست برداری اختیار کرتے ہوئے آپ کے نکاح میں ہی رہنے کی خواہش ظاہر کی جسے آپ نے قبول کر لیا۔ مصنف کی راے میں "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت بشری میں یہی آپ کی

ازواج ہیں۔اِن کے علاوہ آپ نے اپنی اِس حیثیت میں کسی عورت کے ساتھ نکاح نہیں کیا''(مقامات ۳۵۰)۔ اس کے بعد آپ نے جتنی بھی ازواج سے نکاح کیے، وہ ''نہ بشری حیثیت میں کیے گئے، نہ اپنی خواہش سے اور نہ خواہش نفس کی تسکین کے لیے، بلکہ خدا کے آخری پیغمبر کی حیثیت سے اپنی منصبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اور خدا کے حکم پر یا اُس کے ایما سے کیے گئے تھے''(مقامات ۳۵۱)۔

چنانچہ سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے بیوہ خواتین اور یتیم بچوں کی دیکھ بھال کے لیے مسلمانوں کو، حسب استطاعت و ضرورت، چار تک خواتین سے نکاح کی ترغیب دی تو اس کی پیروی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سیدہ حفصہ، سیدہ زینب بنت خزیمہ اور سیدہ ام سلمہ سے نکاح کیا جو سب بیوہ تھیں۔ اس کے بعد سورۂ نساء میں بیان کردہ تحدید کی رو سے آپ مزید کوئی نکاح نہیں کر سکتے تھے، تاہم آپ کی پھوپھی زاد سیدہ زینب بنت جحش کا نکاح جو آپ کی خواہش اور اصرار پر آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے ساتھ کیا گیا تھا، ناکام ہو گیا تو سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے خصوصی فیصلے کے تحت آپ کا نکاح سیدہ زینب سے کر دیا اور اسی کے ساتھ نکاح کے حوالے سے اس تین نکاتی ضابطے کی بھی وضاحت فرما دی جو خاص طور پر آپ کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔

اس کے بعد آپ نے جن خواتین سے نکاح کیا، وہ انھی تحدیدات کے تحت تھا جو سورۂ احزاب میں بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ سیدہ جویریہ اور سیدہ صفیہ جنگ میں قیدی بن کر آئی تھیں جن کی خاندانی نسبت اور شرف کا لحاظ کرتے ہوئے آپ نے انھیں آزاد کر کے ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ سیدہ میمونہ نے آپ کے ساتھ شرف نسبت کے حصول کے لیے نکاح کی پیش کش کی تھی جسے آپ نے قبول فرما لیا۔ سیدہ ام حبیبہ آپ کی ددھیالی رشتہ دار تھیں جو ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائی تھیں، چنانچہ آپ نے ان کی دل جوئی اور تالیف قلب کے لیے انھیں بھی اپنے نکاح میں لے لیا۔ سیدہ ماریہ چونکہ ان میں سے کسی صنف کے تحت نہیں آتی تھیں، اس لیے آپ نے ان سے نکاح نہیں کیا، بلکہ وہ ملک یمین کے طور پر ہی آپ کے پاس رہیں (مقامات ۳۵۵)۔

اس ضمن میں مصنف نے سیدہ ریحانہ بنت شمعون کا ذکر نہیں کیا۔ ان کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے ان سے نکاح کر لیا تھا اور بعض کے نزدیک وہ سیدہ ماریہ کی طرح باندی کی حیثیت سے آپ کے پاس رہیں (ابن حجر، الاصابہ ۸/۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔ ان میں سے جو بھی صورت ہو، سورۂ احزاب کی مذکورہ ہدایات کی رو سے دائرۂ جواز میں شامل ہے۔

خورشید احمد ندیم

مذہب کی جبری تبدیلی

مذہب کا انتخاب انسان کا بنیادی حق ہے۔ یہ حق انسان کو عالم کے پروردگار نے دیا ہے اور انسان ساز افکار نے بھی۔ یہ ان چند نکات میں سے ہے جن پر مذہبی اور غیر مذہبی طبقات کا اتفاق ہے۔ پھر یہ حالیہ نزاع کیوں ہے؟

مذہب کا انتخاب اگر انسان کا بنیادی حق ہے تو پھر کسی کو مذہب کی تبدیلی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مذہب کی جبری تبدیلی مذہب کی نظر میں جرم ہے اور قانون کی نظر میں بھی۔ پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے بعض حلقوں میں یہ شکایت پیدا ہوئی کہ ان کی کم سن بچیوں کو مذہب کی تبدیلی پر مجبور کیا جاتا ہے اور اکثریت کے سماجی جبر کی وجہ سے وہ اس کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے۔ اس کے ساتھ ان بچیوں کی مسلمان لڑکوں سے شادی بھی کرا دی جاتی ہے جس سے ان کی واپسی کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ حکومت نے اس کو روکنے کے لیے ایک بل متعارف کرایا جس میں بعض دفعات ایسی ہیں جن پر ردعمل ہوا اور یوں ایک بحث چل نکلی۔

ہمارا آئین بنیادی حقوق کو مانتا ہے، اس میں مذہب کا انتخاب فرد کا بنیادی حق تسلیم کیا گیا ہے۔ لہٰذا جبری مذہبی تبدیلی بدیہی طور پر جرم ہے۔ اس کے لیے شاید مزید کسی قانون سازی کی ضرورت نہ ہو۔ مذہبی آزادی کو برقرار رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور اس کا مطالبہ کیا جانا چاہیے۔ نفاذ قانون کے لیے قائم ادارے متاثرین کی دادرسی کے پابند ہیں۔

اس بل سے صرف نظر کرتے ہوئے، میرا خیال ہے کہ چند سوالات پر سنجیدہ غور ہونا چاہیے۔ حکومت نے اس معاملے میں درست فیصلہ کیا کہ اسے اسلامی نظریاتی کونسل کے حوالے کر دیا۔ کونسل اس کا دینی پہلو سے جائزہ لے گی، لیکن یہ مسئلہ دینی ہی نہیں، سماجی بھی ہے، اس لیے ایک وسیع تر مشاورت کا متقاضی ہے۔ یہ

سوالات اس بحث کی تفہیم میں معاون ہو سکتے ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ مذہب کی جبری تبدیلی محض الزام ہے یا اس میں کوئی سچائی بھی ہے؟ اس کا جواب اسلامی نظریاتی کونسل کے پاس نہیں ہے۔ سادہ جواب یہ ہے کہ وزارت انسانی حقوق اس پر الزام عائد کرنے والوں سے شواہد طلب کرے اور پھر ان کی مشاورت سے ایک کمیٹی بنائے جو ان علاقوں کا دورہ کرے اور اپنے طور پر الزام کا جائزہ لے۔ قانون سازی اس کے بعد کا مرحلہ ہے۔ میرے علم کی حد تک یہ مرحلہ ابھی طے نہیں ہوا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ پاکستان میں کیا سب کو تبلیغ کا حق حاصل ہے؟ اگر ہے تو اس کے حدود کیا ہیں؟ یہ تو میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں کے اندر بڑی تبلیغی جماعتیں موجود ہیں۔ پاکستان میں یہ جماعتیں زیادہ تر مسلمانوں ہی میں تبلیغ کرتی ہیں۔ اس کی نوعیت تذکیر کی ہے۔ اس کا تعلق تبدیلی مذہب سے نہیں ہے۔ معروف تبلیغی جماعت قیام پاکستان سے پہلے برصغیر میں موجود تھی اور متحرک تھی۔ میرے علم میں نہیں ہے کہ اس جماعت سے غیر مسلموں کو کبھی کوئی شکایت پیدا ہوئی ہو۔ یہ مسئلہ حال ہی میں اٹھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اقلیتوں کو کس گروہ سے شکایت ہے اور کیوں ہے؟

پھر یہ کہ کیا تبلیغ کا حق یک طرفہ ہے؟ کیا غیر مسلموں کو پاکستان میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت ہے؟ یہ سوال اسلامی نظریاتی کونسل اور علما سے متعلق ہے۔ پاکستان میں اگر سب شہریوں کے حقوق برابر ہیں، تو کیا برابری کے اس اصول کا اطلاق تبلیغ کے معاملے میں بھی ہوتا ہے؟ مثال کے طور پر یورپ اور امریکا وغیرہ میں سب کو تبلیغ کی اجازت ہے۔ مسلمانوں کی تبلیغی جماعتیں عشروں سے ان ممالک میں متحرک ہیں اور انھیں کسی نے کبھی روکا نہیں۔

امریکا کے ایک سفر میں میرا سالٹ لیک سٹی جانا ہوا۔ میں جمعہ کے دن وہاں کی ایک بڑی مسجد میں نماز جمعہ کے لیے گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جگہ ایک الماری میں قرآن مجید کے بہت سے نسخوں کے ساتھ ''فضائل اعمال'' بھی رکھی تھی۔ یہ تبلیغی جماعت کا نصاب ہے۔ ساتھ ہی ایک رجسٹر پڑا تھا جس پر ان لوگوں کے نام درج تھے جنھوں نے ہفتے کے مختلف دنوں میں گشت کے لیے اپنا نام لکھوایا تھا۔ کیا پاکستان میں بھی سب مذاہب کو یہ آزادی حاصل ہے؟ کیا دین میں اس کی کوئی ممانعت ہے؟ اس سوال کا جواب علما کے ذمے ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی مرضی سے مذہب تبدیل کرنا چاہے تو کیا اس پر عمر کی قید لگائی جا سکتی ہے جو مجوزہ قانون میں لگائی گئی ہے؟ کیا اس پر قرآن مجید یا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی واضح ہدایت

موجود ہے؟ اگر نہیں تو کیا ریاست یہ حق رکھتی ہے کہ سد ذریعہ کے اصول پر اس پر پابندی لگا دے؟ یہاں پھر وہ مسئلہ اپنی جگہ موجود ہے کہ تبدیلی مذہب کوئی یک طرفہ عمل نہیں ہو سکتا۔ اگر قانون بنے گا تو اس کا اطلاق یکساں طور پر ہو گا۔ اس مسئلے کو بھی اہل علم ہی حل کر سکتے ہیں۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ اقلیت کے باب میں اکثریت کی ذمہ داری کیا ہے؟ کسی اقلیت کا مسلسل خوف میں مبتلا رہنا کیا کسی اکثریت کے لیے باعث فخر بات ہے؟ یہ سوال عوام سے ہے۔ یہ سوال ہمیں اپنے آپ سے کرنا ہے۔ ایسے سوالات کے بارے میں اقبال کی نصیحت یہ ہے کہ 'اپنے دل سے پوچھ، ملا سے نہ پوچھ'۔ اس کے لیے ہمیں اپنا جائزہ لینا ہے۔ ایک غیر مسلم، مسلمان کے سامنے اپنے خیالات کے اظہار میں خود کو کتنا آزاد سمجھتا ہے؟ وہ مسلمانوں سے خوف کھاتا ہے یا انھیں اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کا محافظ سمجھتا ہے؟ مذہب کی جبری تبدیلی کا گہرا تعلق اس سوال کے ساتھ ہے۔

ہمیں ان سوالات پر غور کرنا ہے۔ ہر مسئلہ اس لیے نہیں ہوتا کہ اس کا فیصلہ کسی میدان کارزار ہی میں کیا جائے۔ اگر اختلاف کسی داخلی معاملے میں ہے تو اس کا حل مکالمہ ہے۔ ہمیں بات کرنی چاہیے۔ ہمیں اکثریت اقلیت کی تقسیم سے بلند ہو کر، ہر مسئلے کو اپنا مسئلہ سمجھنا چاہیے۔ پاکستان ایک ملک ہے جسے پر امن رکھنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ اگر ہم تین فی صد آبادی کو خوف کی فضا سے نہ نکال سکیں تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ یہ بات ہمارے لیے باعث عزت ہے یا باعث ندامت؟

ریاست کا جدید تصور اکثریت اقلیت کی بحث سے ماورا ہے۔ ہم ابھی تک اس کا شکار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے جدید ریاست کو نہیں سمجھا۔ ہم ابھی تک اسے قدیم فقہ کی نظر سے دیکھتے ہیں جو فاتح اور مفتوح کی نفسیات کے زیر اثر مرتب ہوئی اور جس میں شہریت کا جدید تصور موجود نہیں تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہی فقہا اگر جدید ریاست کو سامنے رکھ کر فقہ مرتب کرتے تو ان کے نتائج فکر بالکل مختلف ہوتے۔ یہ کام آج کے علما کا ہے کہ وہ پہلے جدید ریاست کے تصور کو جانیں اور پھر اس کو سامنے رکھ کر دین کے باب میں رہنمائی کریں۔

اسلامی نظریاتی کونسل ایک اجتہادی ادارہ ہے۔ اس سے بجا طور پر یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ جدید معاملات میں قوم کی رہنمائی کرے گا۔ فقہ کی قدیم کتب سے اقوال نقل کر دینا اجتہاد نہیں ہوتا۔ یہ کام علم فقہ کا کوئی مبتدی بھی کر سکتا ہے۔ جدید قومی ریاست میں تبدیلی مذہب ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس پر ریاست کو رہنمائی کی ضرورت ہے اور عوام کو بھی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد وسیم اختر مفتی

مہاجرین حبشہ

[''سیر و سوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

ہجرت اولیٰ

حبشہ کی طرف پہلی ہجرت رجب ۵ / نبوی میں ہوئی۔ واقدی کی مشہور روایت کے مطابق گیارہ صحابہ اور چار صحابیات نے حضرت عثمان بن مظعون (حضرت عثمان بن عفان: محمد بن عبد الوہاب) کی قیادت میں سفر ہجرت میں حصہ لیا۔ اس قافلے کے شرکا یہ تھے۔ حضرت عثمان بن عفان، ان کی اہلیہ حضرت رقیہ بنت محمد رسول اللہ۔ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ، ان کی زوجہ حضرت سہلہ بنت سہیل۔ حضرت زبیر بن عوام۔ حضرت مصعب بن عمیر۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف۔ حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد، ان کی اہلیہ حضرت ام سلمہ بنت ابو امیہ۔ حضرت عثمان بن مظعون۔ حضرت عامر بن ربیعہ، ان کی اہلیہ حضرت لیلیٰ بنت ابو حثمہ۔ حضرت ابو سبرہ بن ابو رہم۔ حضرت ابو حاطب بن عمرو۔ حضرت سہیل بن بیضاء (والد کا نام: وہب)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود۔ ابن ہشام نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کا نام شامل نہیں کیا۔

ہجرت ثانیہ

دو ماہ بعد جب یہ افواہ پھیلی کہ قریش مکہ بھی مسلمان ہو چکے ہیں اور انھوں نے مسلمانوں پر ظلم کرنے بند کر دیے ہیں تو ماہ شوال میں انتالیس مسلمان مکہ لوٹ گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ تعذیب کا سلسلہ جاری ہے تو

ان میں سے کچھ نے اسی ماہ حضرت جعفر بن ابو طالب کی قیادت میں دوبارہ دار ہجرت کا رخ کیا۔اس بار دیگر اصحاب بھی ان کے ساتھ چلے۔ابن ہشام نے بچوں اور عورتوں کے علاوہ مہاجرین حبشہ کی کل تعداد تراسی بتائی ہے،اٹھارہ عورتوں اور آٹھ بچوں کو ملا کر مجموعی تعداد ایک سو نو بن جاتی ہے۔ابن ہشام نے مکہ میں داخل ہونے والے مہاجرین کی تعداد تینتیس بتائی ہے،جب کہ اصل میں یہ انتالیس ہے۔ان کے نام اس طرح ہیں:

حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ،ان کی اہلیہ حضرت سہلہ بنت سہیل، حضرت خنیس بن حذافہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سائب بن عثمان، حضرت ابو سبرہ بن ابورہم،ان کی اہلیہ حضرت ام کلثوم بنت سہیل، حضرت سعد بن خولہ، حضرت سکران بن عمرو، ان کی اہلیہ حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد،ان کی اہلیہ حضرت ام سلمہ بنت ابوامیہ، حضرت سویبط بن سعد، حضرت سہیل بن بیضاء، حضرت شماس بن عثمان، حضرت طلیب بن عمیر، حضرت عامر بن ربیعہ، ان کی اہلیہ حضرت لیلیٰ بنت ابو حثمہ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت عبد اللہ بن جحش، حضرت عبد اللہ بن سہیل، حضرت عبد اللہ بن مخرمہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن مظعون، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت عتبہ بن غزوان، حضرت عثمان بن عفان، ان کی اہلیہ حضرت رقیہ بنت محمد رسول اللہ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عمرو بن حارث، حضرت عمرو بن ابی سرح، حضرت عیاش بن ابو ربیعہ، حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت معتب بن عوف، حضرت مقداد بن اسود (عمرو)، حضرت ہشام بن العاص۔

حضرت عثمان بن مظعون نے ولید بن مغیرہ اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد نے ابو طالب بن عبد المطلب کی پناہ لی۔

نسبت قبائل کے اعتبار سے دونوں ہجرتوں میں شامل صحابہ کی فہرست

بنو ہاشم بن عبد مناف: (ایک صاحب، ایک صحابیہ)۔ حضرت جعفر بن ابو طالب اور ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس۔

بنو امیہ بن عبد شمس: (تین اصحاب، تین صحابیات)۔ حضرت عثمان بن عفان، ان کی اہلیہ حضرت رقیہ بنت محمد رسول اللہ، حضرت عمرو بن سعید، ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت صفوان، حضرت خالد بن سعید، ان کی اہلیہ حضرت امینہ بنت خلف۔

بنو اسد بن خزیمہ، حلیف بنو امیہ: (چار صحابہ، دو صحابیات) حضرت عبد اللہ بن جحش، عبید اللہ بن جحش، ان

کی اہلیہ حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان، حضرت قیس بن عبد اللہ، ان کی زوجہ حضرت برکہ بنت یسار، حضرت معیقیب بن ابوفاطمہ۔

بنو عبد شمس بن عبد مناف: (دو اصحاب، ایک صحابیہ) حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، ان کی اہلیہ حضرت سہلہ بنت سہیل، حضرت ابوموسیٰ اشعری۔

بنو قیس بن عیلان، حلیف بنو نوفل بن عبد مناف: (ایک صحابی) حضرت عتبہ بن غزوان۔

بنو اسد بن عبد العزیٰ: (چار صحابہ) حضرت زبیر بن عوام، حضرت اسود بن نوفل، حضرت یزید بن زمعہ، حضرت عمرو بن امیہ۔

بنو عبد بن قصی: (ایک صحابی) حضرت طلیب بن عمیر۔

بنو عبد الدار بن قصی: (سات اصحاب) حضرت مصعب بن عمیر، حضرت سویبط بن سعد، حضرت جہم بن قیس، ان کی زوجہ حضرت ام حرملہ بنت عبد الاسود، حضرت عمرو بن جہم، حضرت خزیمہ بن جہم، حضرت ابوالروم بن عمیر، حضرت فراس بن نضر۔

بنو زہرہ بن کلاب: حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت عامر بن ابی وقاص، حضرت مطلب بن ازہر، ان کی اہلیہ حضرت رملہ بنت ابوعوف۔

بنو ہذیل، حلیف بنو زہرہ: (دو صحابہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عتبہ بن مسعود۔

بنو بہرا، حلیف بنو زہرہ: (ایک صحابی) حضرت مقداد بن اسود۔

بنو تیم بن مرہ: (دو صحابہ، ایک صحابیہ) حضرت حارث بن خالد، ان کی اہلیہ حضرت ریطہ بنت الحارث، حضرت عمرو بن عثمان۔

بنو مخزوم بن یقظہ: (سات اصحاب، ایک صحابیہ) حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد، ان کی اہلیہ حضرت ام سلمہ بنت ابوامیہ، حضرت شماس بن عثمان، حضرت ہبار بن سفیان، حضرت عبد اللہ بن سفیان، حضرت ہشام بن ابوحذیفہ، حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عیاش بن ابوربیعہ۔

بنو خزاعہ، حلیف بنو مخزوم: (ایک صاحب) حضرت معتب بن عوف۔

بنو جمح بن عمرو: (گیارہ صحابہ، تین صحابیات) حضرت عثمان بن مظعون، حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت عبد اللہ بن مظعون، حضرت سائب بن عثمان، حضرت حاطب بن حارث، ان کی اہلیہ حضرت فاطمہ بنت مجلل،

حضرت حطاب بن حارث، ان کی اہلیہ حضرت فکیہہ بنت یسار، حضرت سفیان بن معمر، ان کی اہلیہ حضرت حسنہ، حضرت جابر بن سفیان، حضرت جنادہ بن سفیان، حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت عثمان بن ربیعہ۔

بنو سہم بن عمرو: (چودہ صحابہ) حضرت خنیس بن حذافہ، حضرت عبد اللہ بن حارث، حضرت ہشام بن العاص، حضرت قیس بن حذافہ، حضرت عبداللہ بن حذافہ، حضرت ابو قیس بن حارث، حضرت حارث بن حارث، حضرت معمر بن حارث، حضرت سائب بن حارث، حضرت بشر بن حارث، حضرت سعید بن حارث، حضرت عمیر بن رئاب، حضرت سعید بن عمرو، حضرت محمیہ بن جزء۔

بنوعدی بن کعب: (پانچ اصحاب، ایک صحابیہ) حضرت معمر بن عبد اللہ، حضرت عروہ بن ابو اثاثہ (عبد العزیٰ)، حضرت عدی بن نضلہ، حضرت نعمان بن عدی، حضرت عامر بن ربیعہ، ان کی اہلیہ حضرت لیلیٰ بنت ابو حثمہ۔

بنو عامر بن لؤی: (آٹھ صحابہ، تین صحابیات) حضرت ابو سبرہ بن ابو رہم، ان کی اہلیہ حضرت ام کلثوم بنت سہیل، حضرت عبد اللہ بن مخرمہ، حضرت عبد اللہ بن سہیل، حضرت سلیط بن عمرو، حضرت سکران بن عمرو، ان کی اہلیہ حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت مالک بن زمعہ اور ان کی زوجہ حضرت عمرہ (عمیرہ) بنت سعدی، حضرت ابو حاطب بن عمرو، حضرت سعد بن خولہ (یمنی حلیف)۔

بنو حارث بن فہر: (آٹھ اصحاب) حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت سہیل بن بیضاء (وہب)، حضرت عمرو بن ابی سرح، حضرت عیاض بن زہیر، حضرت عمرو بن حارث، حضرت عثمان بن عبد غنم، حضرت سعید بن عبد قیس، حضرت حارث بن عبد قیس۔

حروف تہجی کے اعتبار سے کل مہاجرین حبشہ کی فہرست

حضرت اسود بن نوفل، حضرت اسماء بنت عمیس، حضرت امینہ بنت خلف، امیہ بنت قیس۔

حضرت برکہ بنت یسار، حضرت بشر بن حارث۔

حضرت جابر بن سفیان، حضرت جعفر بن ابو طالب، حضرت جنادہ بن سفیان، حضرت جہم بن قیس۔

حضرت حارث بن حارث، حضرت حارث بن خالد، حضرت حارث بن عبد قیس، حضرت حاطب بن حارث، حضرت ابو حاطب بن عمرو، حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان، ان کی بیٹی حبیبہ بنت عبید اللہ، حضرت حجاج بن حارث، حضرت ام حرملہ بنت عبد الاسود، حضرت حطاب بن حارث، حضرت حسنہ عدویہ۔

حضرت خالد بن حرام، حضرت خالد بن سعید، حضرت خالد بن سفیان، حضرت خزیمہ بن جہم، حضرت

خنیس بن حذافہ۔

حضرت ربیعہ بن ہلال، حضرت رقیہ بنت رسول اللہ، حضرت رملہ بنت ابو عوف، حضرت ابو الروم بن عمیر، حضرت ریطہ بنت الحارث۔

حضرت زبیر بن عوام۔

حضرت سائب بن حارث، حضرت سائب بن عثمان، حضرت ابو سبرہ بن ابو رہم، حضرت سعد بن خولہ، حضرت سعید بن حارث، حضرت سعید بن عبد قیس، حضرت سعید بن عمرو، حضرت سفیان بن معمر، حضرت سکران بن عمرو، حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت سلیط بن عمرو، ان کی اہلیہ حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت سویبط بن سعد، حضرت سہلہ بنت سہیل، حضرت سہیل بن بیضاء۔

حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت شماس بن عثمان۔

حضرت طلیب بن ازہر، حضرت طلیب بن عمیر۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت عامر بن ابی وقاص، حضرت عامر بن عبد اللہ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت عبد اللہ بن جحش، حضرت عبد اللہ بن حارث، حضرت عبد اللہ بن حذافہ، حضرت عبد اللہ بن سفیان، حضرت عبد اللہ بن سہیل، حضرت عبد اللہ بن شہاب، حضرت عبد اللہ بن عبد الاسد، حضرت عبد اللہ بن قیس، حضرت عبد اللہ بن مخرمہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن مظعون، عبید اللہ بن جحش، حضرت عبید بن مسعود، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت عتبہ بن غزوان، حضرت عثمان بن ربیعہ، حضرت عثمان بن عبد غنم، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عدی بن نضلہ، حضرت عروہ بن ابو اثاثہ (عبد العزیٰ)، حضرت عروہ بن عبد العزیٰ، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عمر بن رباب، حضرت عمرو بن امیہ، حضرت عمرو بن جہم، حضرت عمرو بن حارث، حضرت عمرو بن ابی سرح، حضرت عمرو بن سعید، حضرت عمرو بن عثمان، حضرت عمرہ (عمیرہ) بنت سعدی، حضرت عمیر بن رئاب، حضرت عیاش بن ابو ربیعہ، حضرت عیاض بن زہیر۔

حضرت فاطمہ بنت صفوان، حضرت فاطمہ بنت مجلل، حضرت فراس بن نضر، حضرت ابو فکیہہ (صرف ابن جوزی)، حضرت فکیہہ بنت یسار۔

حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت ابو قیس بن حارث، حضرت قیس بن حذافہ، حضرت قیس بن عبد اللہ۔

حضرت ام کلثوم بنت سہیل۔

حضرت لیلیٰ بنت ابوحثمہ (خثمہ)۔

حضرت مالک بن زمعہ، حضرت محمیہ بن جزء، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت مطلب بن ازہر، حضرت معبد بن حارث، حضرت معتب بن عوف، حضرت معمر بن حارث، حضرت معمر بن عبد اللہ، حضرت معیقیب بن ابو فاطمہ، حضرت مقداد بن اسود، حضرت ابوموسیٰ اشعری۔

حضرت نبیہ بن عثمان، حضرت نعمان بن عدی۔

حضرت ہاشم بن عتبہ، حضرت ہبار بن سفیان، حضرت ہشام بن ابو حذیفہ، حضرت ہشام بن العاص، حضرت ہند بنت ابوامیہ۔

حضرت یزید بن زمعہ۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حبشہ میں پیدا ہونے والے بچے

حضرت امہ بنت خالد، حضرت حارث بن حاطب، حضرت زینب بنت ابوسلمہ، حضرت زینب بنت حارث، حضرت سعید بن خالد، حضرت عائشہ بنت حارث، حضرت عبد اللہ بن جعفر، حضرت عبد اللہ بن مطلب، حضرت عوف بن جعفر، حضرت فاطمہ بنت حارث، حضرت محمد بن جعفر، حضرت محمد بن ابوحذیفہ، حضرت محمد بن حاطب، حضرت موسیٰ بن حارث۔ ابن ہشام نے حبشہ میں پیدا ہونے والے حضرت جعفر کے دوسرے بچوں محمد اور عون کا ذکر نہیں کیا۔

صحابہ جو جنگ بدر کے بعد مدینہ لوٹے، لیکن حضرت جعفر کے ہم سفر نہ تھے

''السیرۃ النبویہ'' میں ابن ہشام نے ان کی تعداد چونتیس بتائی ہے، لیکن ہمیں تینتیس کا پتا چل سکا۔

حضرت بشر بن حارث، حضرت جابر بن سفیان، حضرت جنادہ بن سفیان، حضرت حارث بن حارث، حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان، حضرت حسنہ عدویہ، حضرت رملہ بنت ابو عوف، حضرت ابوالروم بن عمیر، حضرت سائب بن حارث، حضرت سعید بن حارث، حضرت سعید (سعد درست نہیں) بن عبد قیس، حضرت سعید بن عمرو، حضرت سفیان بن معمر، حضرت سلیط بن عمرو، حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت عبد اللہ بن حذافہ، حضرت عبد اللہ بن سفیان، حضرت عبد اللہ بن مطلب، حضرت عثمان بن عبد غنم، حضرت عمرو بن عثمان،

حضرت عمیر بن رئاب، حضرت عیاض بن زہیر، فراس بن نضر، حضرت ابو قیس بن حارث، حضرت قیس بن حذافہ، حضرت قیس بن عبداللہ، ان کی زوجہ حضرت برکہ بنت یسار، ان کی بیٹی امیہ بنت قیس، حضرت معمر بن حارث، حضرت نعمان بن عدی، حضرت ہبار بن سفیان، حضرت ہشام بن ابو حذیفہ، حضرت یزید بن زمعہ۔

باقی رہ جانے والے صحابہ کی حبشہ سے واپسی

۷ھ،(۶۲۶ء): حضرت جعفر بن ابو طالب اور باقی مہاجرین نے مدینہ جانے کی خواہش ظاہر کی کہ ہمارے نبی غالب آ گئے ہیں اور دشمن مارے جا چکے ہیں۔ تب نجاشی نے زاد راہ اور سواریاں دے کر ان کو رخصت کیا(المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۴۷۸)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہاجرین کو لانے کے لیے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو حبشہ بھیجا۔

مہاجرین دو کشتیوں پر سوار ہو کر حجاز کے ساحل بولا (الرایس) پر پہنچے، پھر اونٹوں پر سوار ہو کر مدینہ آئے۔ ان اصحاب کے نام یہ ہیں: حضرت اسود بن نوفل، حضرت جعفر بن ابو طالب، ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس، ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت جہم بن قیس، ان کے بیٹے حضرت عمرو بن جہم اور حضرت خزیمہ بن جہم، حضرت حارث بن خالد، حضرت حارث بن عبد قیس، حضرت ابو حاطب بن عمرو، حضرت خالد بن سعید، ان کی اہلیہ حضرت امینہ (یا ہمینہ) بنت خلف، ان کے بیٹے حضرت سعید بن خالد اور بیٹی حضرت امہ بنت خالد، حضرت عامر بن ابو وقاص، حضرت عتبہ بن مسعود، حضرت عثمان بن ربیعہ، حضرت عمرو بن سعید، حضرت مالک بن ربیعہ، ان کی زوجہ حضرت عمرہ بنت سعدی، حضرت محمیہ بن جزء، حضرت معمر بن عبداللہ، حضرت معیقیب بن ابو فاطمہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری۔ ان کے علاوہ سر زمین حبشہ میں وفات پا جانے والے اہل ایمان کی بیوگان بھی کشتیوں میں سوار تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر سے فارغ ہو کر مدینہ لوٹے تو حضرت جعفر نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے انھیں اپنے ساتھ چمٹا لیا، معانقہ کیا، آنکھوں کے درمیان پیشانی پر بوسہ لیا اور فرمایا: میں بہت خوش ہوں، معلوم نہیں، جعفر کے آنے سے یا خیبر فتح ہونے پر (مستدرک حاکم، رقم ۴۹۴۱)۔

ابن ہشام نے دونوں کشتیوں میں واپس آنے والے مرد صحابہ کا شمار سولہ کیا ہے۔ اگر تین صحابیات اور پانچ بچوں کو شامل کر لیا جائے تو چوبیس کا عدد حاصل ہوتا ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں: ابن اسحٰق نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے بھائیوں حضرت ابو بردہ، حضرت ابو رہم، ان کے چچا حضرت ابو عامر اور دوسرے اشعری اصحاب کے مدینہ پہنچنے کا ذکر نہیں کیا۔ شاید اس باب میں حضرت ابو موسیٰ کی روایت (بخاری، رقم ۴۲۳۰) ان تک

نہیں پہنچی۔

حبشہ میں وفات پانے والے اصحاب اور بچے

حضرت ام حرملہ بنت عبد الاسود اہلیہ حضرت جہم بن قیس۔ حضرت حاطب بن حارث، حضرت حطاب بن حارث، حضرت ریطہ بنت حارث زوجہ حضرت حارث بن خالد، زینب بنت حارث، عائشہ بنت حارث، حضرت عبد اللہ بن حارث، عبید اللہ بن جحش (نصرانی ہو کر مرے)، حضرت عدی بن نضلہ، حضرت عروہ بن ابو اثاثہ (عبد العزیٰ)، حضرت عمرو بن امیہ، حضرت فاطمہ بنت صفوان زوجہ حضرت عمرو بن سعید۔ حضرت مطلب بن ازہر، موسیٰ بن حارث۔

مطالعہ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، سیرت النبی (شبلی نعمانی)، محمد رسول اللہ (محمد رضا)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد ذکوان ندوی

قرب قیامت کا ایک ظاہرہ

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت مروی ہے۔ اِس کے آخر میں علامات قیامت کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'وَيُلقٰى بينَ النّاسِ التّناكُر، فَلا يَكادُ أحدٌ أن يَّعْرِفَ أحَدًا' (احمد، رقم ۲۳۳۰۶)، یعنی لوگوں کے درمیان 'تناکر' پیدا ہو جائے گا، یہاں تک کہ ایسا معلوم ہو گا کہ لوگ، گویا ایک دوسرے کو پہچانتے ہی نہیں۔

'تناکُر' کا لفظی مطلب اجنبیت یا بے گانگی (indifference) ہے۔ یہ بعد کے زمانے میں پیدا ہونے والے حالات کی پیشگی خبر ہے۔ موجودہ زمانے میں 'تناکر' کا یہ ماحول ہر طرف دیکھا جا سکتا ہے۔ اِس کا سبب مادّی ترقی کا غیر معمولی حد تک بڑھ جانا ہے۔

انسان طبعاً خود غرض واقع ہوا ہے، تاہم قدیم زمانے میں اِس خود غرضی کے اظہار کے لیے بہت کم اسباب موجود تھے، مگر اب یہ اسباب بے پناہ حد تک بڑھ گئے ہیں۔ اِس کی بنا پر ایسا ہوا ہے کہ آج کے انسان کا ہدف صرف یہ بن گیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ کمائے اور زیادہ سے زیادہ سامان راحت حاصل کرے۔ اِسی ذہن کا یہ نتیجہ ہے کہ انسانی دنیا عملاً اب اِس مشہور یونانی مثل کا مصداق بن کر رہ گئی ہے —— جتنا بڑا شہر، اتنا بڑا ویرانہ:

Megapolis, Megalo Eramia

آدمی اصلاً مادی یا اخلاقی بنیاد ہی پر کسی سے ملتا ہے، تاہم اخلاقی بنیاد تقریباً اب مفقود ہو چکی ہے، اور مادی آسایش نے دوسری بنیاد کا بھی خاتمہ کر دیا ہے۔ مزید یہ کہ مادی فراوانی کے ماحول نے اب آدمی کو سخت قسم کے عجب اور خود پرستی میں مبتلا کر دیا ہے۔ چنانچہ لوگ اب پوری طرح اپنے خول میں بند ہو کر رہ گئے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com

حال میں کورونا اور اُس کے نام پر برپا بحران نے انسانی تعلقات کو آخری حد تک نقصان پہنچایا ہے۔ اب ’سماجی دوری‘ (social distancing) جیسے فارمولے کے ذریعے سے اِس ’تناکر‘ نے آخری شکل اختیار کر لی ہے۔

آج کے انسان کا مزاج یہ ہے کہ نہ کوئی شخص میری زندگی میں مداخلت کرے اور نہ میں کسی کی زندگی میں مداخلت کروں۔ اِسی انتہا پسندانہ مزاج کی بنا پر تفریح (entertainment) کے وہ طریقے ایجاد ہوئے ہیں جس میں لوگ اب پوری طرح ’مشغول‘ دکھائی دیتے ہیں۔ آج کا انسان صرف اپنی ذات میں جیتا ہے۔ اُس کے پاس وقت نہیں کہ وہ زندگی کے وسیع تر پہلوؤں پر غور کر سکے، وہ خدا اور انسان کی نسبت سے اپنی کوئی ذمہ داری محسوس کرے۔

قربِ قیامت کا یہ ظاہرہ، بلاشبہ انسانیت کی موت کے ہم معنی ہے۔ اِس صورت حال سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی خداداد فطرت کے زور پر دوبارہ حقیقی ’انسان‘ بننے کا عزم کریں، ہم احتیاط کو احتیاط کے درجے میں رکھیں، ورنہ سخت اندیشہ ہے کہ یہ صورت حال ہمارے لیے مزید انحطاط کا ذریعہ ثابت ہو۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی دو پیروں پر چلنے والا صرف ایک ایسا حیوان بن کر رہ جائے جس میں ’حیوانیت‘ کے سوا انسان کے ساتھ دوسری اور کوئی مشابہت باقی نہ رہے۔

[لکھنؤ، ۱۵/ مئی ۲۰۲۱ء]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد عاصم مغل

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[جناب جاوید احمد غامدی کی تحریر و تقریر سے اخذ و استفادہ پر مبنی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بندۂ مومن کے ایمان کا بنیادی تقاضا ہے کہ اس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت موجود ہو۔ اس محبت کی وسعت اور عظمت کا عالم یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کے بعد تمام محبتیں اس ایک محبت کے تابع ہوں۔ وہ اپنی اولاد، اپنے والدین، اپنے احباب، اپنے اعزہ، حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی آپ کی ذات کو مقدم اور عزیز سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: 'اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ'، ''نبی کا حق مومنوں پر اُن کی ذات سے بھی مقدم ہے'' (الاحزاب ۳۳: ۶)۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی اسی طرف متوجہ کرتا ہے۔ فرمایا ہے: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک وہ مجھے اپنی اولاد، اپنے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بنا لے۔'' (بخاری، رقم ۱۵۔ مسلم، رقم ۱۷۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری محبت غیر معمولی ہے، اس لیے اُس کے اظہار کا جذبہ بھی بے پناہ ہے۔ ہمارے ہاں عید میلاد النبی کا تہوار اسی ذوق و شوق کی علامت ہے۔ اس کا محرک یقیناً ایک نیک اور پاکیزہ جذبہ ہے، مگر چونکہ اسے ایک مذہبی تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے، اس لیے اس کے بارے میں ایک بنیادی سوال کا پیدا ہونا بالکل فطری ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ کیا اس تہوار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے اور آپ کے حکم کی تعمیل میں آپ کے صحابہ نے اسے ایک سالانہ جشن کے طریقے پر منایا ہے؟

جناب جاوید احمد غامدی اس سوال کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے سال میں دو تہوار مقرر کیے ہیں: ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ۔ انھیں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی اتباع میں انھی کو منایا اور بہ طور تہوار امت کو منتقل کیا ہے۔ دین ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم ان میں اپنی جانب سے کوئی ترمیم و اضافہ کر سکیں۔ لہٰذا ان کے علاوہ کسی اور دن کو مذہبی تہوار کے طور پر پیش کرنا یا اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ انسانی تاریخ میں بڑی شخصیات کے دن منانے کی روایت ہمیشہ موجود رہی ہے اور ہمارے ہاں قائد اعظم محمد علی جناح اور شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کا دن منانا اسی کی مثال ہے۔ قومی شخصیات سے وابستگی کے اظہار کے لیے ان کے کارناموں اور خدمات کو یاد کرنا اور اس غرض سے کوئی خاص دن مقرر کرنا بالکل بجا ہے۔ لیکن اس کا تعلق عام انسانوں سے اور عام سماجی روایت سے ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور آپ کی جاری کردہ دینی روایت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ عام شخصیات کی طرح آپ کی یاد کے لیے بھی کوئی دن مقرر کر دیا جائے۔ آپ ایک روز کی شخصیت نہیں، بلکہ ہر روز کی شخصیت ہیں۔ ہر دن آپ کا دن ہے، ہر مہینا آپ کا مہینا ہے۔ اللہ نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔ یہ کیسے موزوں ہے کہ آپ جیسی عالم گیر شخصیت کے ذکر کو کسی خاص دن تک محدود کر دیا جائے۔ غامدی صاحب نے اس بات کو اپنے ایک مضمون میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ”...وہ جس کی یاد کی شمعیں ہر دل میں فروزاں رہنی چاہییں اور جس کا نام جب دن پہلو بدلے، ہر مسجد کے مناروں سے بلند ہونا چاہیے، یہ اُس کی شان سے فروتر ہے کہ اُسے ایک یوم میلاد اور ایک ماہ ربیع الاول کی شخصیت بنایا جائے۔ وہ عزیز از جاں اور عزیز جہاں ایک دن اور ایک مہینے کی شخصیت نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ہر دن، ہر مہینے اور ہر سال کی شخصیت ہے، اِس لیے نہ ”عید میلاد النبی“ نہ ”جشن ربیع الاول“، بلکہ صبح دم، دن ڈھلے، 'لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ'، ایک ہی صدا اور ایک ہی نغمہ: 'أشهد أن لا إله إلّا الله، أشهد أن محمدًا رسول الله'۔“(مقامات ۱۰۵)

غامدی صاحب کے نزدیک دین کے معاملے میں ہمیں اُسی بات کو اختیار کرنا چاہیے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمایا ہو اور جس پر آپ کے اصحاب عامل رہے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مسلمانوں میں سے اسی گروہ کا ایمان معتبر ہے جو 'مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ'* کے طریقے پر قائم

* ترمذی، رقم ۲۶۴۱۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ہو، یعنی جس نے دین کے معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریقے کو اختیار کیا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری محبت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر ہرگز نہیں ہو سکتی، اِس لیے ہمیں اِس معاملے میں انھی کی پیروی کرنی چاہیے۔ وہ اس سلسلے میں ہمارے لیے نمونہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی جانب سے جو اقدامات دین کے معاملے میں ہوئے ہیں، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویب حاصل ہے۔ خلافت راشدہ میں صحابۂ کرام کو اقتدار حاصل تھا، ان کے پاس قوت اور اختیار تھا، وہ اخلاقی طور پر بھی دنیا بھر میں برتر حیثیت کے حامل تھے، مگر انھوں نے کبھی اس کا اہتمام نہیں کیا۔ ہماری غلطی یہ ہے کہ ہم آپ کی عظمت کو اُنھی شخصیات کے تناظر میں دیکھتے ہیں جن سے ہم واقف ہیں، مگر صحابۂ کرام نے آپ کو اُن سے بالکل الگ کر کے اللہ کے فرستادے، اللہ کے پیام بر اور اللہ کے نمایندے کے طور پر تسلیم کیا۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

> ”بات دراصل یہ ہوئی کہ ہم نے اُسے سب سے بڑا تو مانا، مگر اُنھی شخصیتوں کے زمرے سے مانا جن سے ہم مانوس تھے اور وہ اِس زمرے کا شخص ہی نہ تھا۔ چنانچہ یہ اِسی کا نتیجہ تھا کہ زمین پر سارے دن اُس کے تھے، مگر ہمارے لیے وہ ایک خاص دن میں پیدا ہوا؛ وہ ہر مہینے کا ماہ تاباں تھا، مگر ہم نے اُسے جب دیکھا، ربیع الاول ہی کے مطلع پر دیکھا؛ تقویم خداوندی میں ہر سال اُسی کے نام سے معنون تھا، مگر ہماری تقویم میں اُس کا یوم ولادت ۵۷۰ بعد مسیح ہوا:
>
> جرم نگاہ دیدۂ صورت پرست ماست
>
> ہم نے چاہا کہ ہم سمندر کو کنوئیں میں بند کریں، صحرا کو صحن میں اتاریں اور آسمان کو ردا بنائیں، لیکن وہ جو اُس کے ساتھی تھے —— صدیق و فاروق، عثمان و حیدر، بلال و بوذر —— اُنھوں نے سمندر کو سمندر، صحرا کو صحرا اور آسمان کو آسمان دیکھا۔“ (مقامات ۱۰۵)

چنانچہ ہمیں ہر روز آپ کو یاد کرنا چاہیے، صبح و شام آپ پر درود و سلام بھیجنا چاہیے، دن رات آپ کی تعلیمات سے فیض یاب ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی طرح اگر میلاد النبی پر آپ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے، آپ کی سیرت و سوانح کو سمجھا جاتا ہے، آپ کے اسوۂ حسنہ کی تعلیم دی جاتی ہے، نعتیہ کلام پڑھا جاتا ہے اور ان مقاصد کے لیے مجلسوں، کانفرنسوں اور سیمیناروں کا اہتمام کیا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہم اس موقع پر روزہ بھی رکھ سکتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یوم ولادت پر اس کا اہتمام فرماتے تھے۔ تاہم یہ پوری طرح ملحوظ رہنا چاہیے کہ ان چیزوں کو مذہبی رسم کی صورت دینا صریحاً غلط ہے اور

آپ کے ذکر کو کسی ایک دن کے لیے خاص کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔

اس تفصیل کا خلاصہ چند نکات میں یہ ہے:

اول، اللہ تعالیٰ کے احکام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے ہی پر قائم رہنے کا نام دین ہے۔ دین میں اس سے آگے ایک قدم بھی نہیں بڑھایا جا سکتا۔

دوم، میلاد النبی کا تہوار اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر نہیں فرمایا۔ صحابۂ کرام نے بھی کسی خاص دن کو آپ کی یاد کے لیے مختص نہیں کیا۔ چنانچہ آپ کے یوم ولادت کو مذہبی رسم کی شکل دینا اور جشن کی صورت میں دینی تہوار کے طور پر منانا درست نہیں ہے۔

سوم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس سے بالا ہے کہ آپ کی عظمت کو عام شخصیات کے زمرے سے سمجھا اور مانا جائے۔

چہارم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ سے اظہار محبت کے لیے ہم بھی یہ عمل اختیار کر سکتے ہیں۔

پنجم، آپ کے یوم ولادت پر آپ کے لیے اللہ کے حضور میں دعاؤں کا نذرانہ پیش کرنا اور آپ پر درود و سلام بھیجنا بجا ہے، مگر باقی دنوں میں بھی اس کا بھرپور اہتمام ہونا چاہیے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ساجد حمید

محمد انیس مفتی

”السلام علیکم، پیارے بھائی جان، کیسے ہیں؟“۔ انیس صاحب کا یہ ملاقات کا جملہ تھا، میں ان سے عمر میں چھوٹا تھا، مگر وہ اسی جملے سے گفتگو کا آغاز کرتے تھے۔ انیس صاحب دراصل انسان دوست شخصیت تھے۔ ان کی انسان دوستی جمال ہستی کے گرد گھومتی تھی، نہ کہ انسان کے گرد۔ لہٰذا جن کے گلے، آواز، گفتگو، فکر، شعر یا نثر وغیرہ میں انھیں اپنی پسند کا جمال دکھائی دیتا، وہ انھیں دوست رکھتے تھے۔ شاید خدا سے ان کے تعلق کی بنیادیں بھی یہی تھیں کہ جو خدا خود بھی جمیل ہے اور اس کی تخلیق بھی جمیل ہے۔ فلسفہ و تصوف کا جمال اور ہے، اور انیس مفتی کا جمال اور۔ انیس مفتی خیالی نہیں وجودی جمال کے قائل تھے، خواہ اسے کوئی نام نہ دے سکے ہوں۔

دین داری ان کے ہاں وفاشعاری کا دوسرا نام تھا۔ جس طرح وہ انسانوں سے رشتہ و پیوند کو قائم رکھتے تھے، ویسے ہی وہ خدا سے اپنے پیوند بندگی پر قائم رہے۔ یہ وفاداری معصومانہ رنگ کی تھی، جس میں ملمع کاری نہیں تھی۔ ان کی شخصیت میں فطرت کائنات کی طرح کئی تضادات ہم آہنگ ہو گئے تھے، مثلاً صاف گو، مگر صلح جو؛ ہوشیار، مگر معصوم؛ سادہ، مگر پرکار؛ صاحب ثروت، مگر فقیر؛ حوصلہ افزا، مگر ناقد؛ دوست، مگر ناصح؛ انجینئر، مگر آرٹسٹ؛ جمال پرست، مگر سادگی پسند۔ اس طرح کی بے شمار چیزیں تھیں، جو ان کی تعمیر شخصیت میں کام آئی تھیں۔

”المورد“ کے ساتھ ان کا بہت پرانا تعلق تھا۔ شاید انھیں بانیوں میں شمار کیا جانا ہی صحیح ہوگا۔ وفاداری بہ شرط استواری کے اصول پر وہ ہمیشہ ”المورد“ سے جڑے رہے۔ استاذ گرامی سے ان کے دوستانہ مراسم تھے، اور تاحیات قائم رہے۔ یہ دوستی بھی عقیدت اور برابری کے دو متضاد عناصر کا مرقع تھی کہ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قرینوں میں۔

اب کچھ یادیں پیش خدمت ہیں:

ہر انسان دوسروں کو اپنے حوالے سے دیکھتا ہے۔ میرے ساتھ ان کے مراسم بہت گہرے نہیں تھے۔ اس میں قصور میرا تھا کہ میں طبعاً کسی کو بھی بہت قریب نہیں آنے دیتا کہ وہ میری مدد کرے، ابھارے، حوصلہ دے، یا ترس کھائے وغیرہ۔ انیس صاحب کا دوستی کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی گاڑی میں بٹھا کر یا بیٹھک میں بیٹھ کر تا دیر باتیں کرتے، اور محبت بھرے لہجے میں انسان کو جاننے کی کوشش کرتے۔ میرے ساتھ بھی ان کے دو تین سفر رہے ہیں۔ ایک میں انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اگر تم ''المورد'' میں نہ آتے تو کیا بنتے؟ میں نے کہا کہ میں شاعر، مصور یا سائنس دان ہوتا۔ کہنے لگے: ہاں، شاعر ہوتے یہ تو میں مانتا ہوں، باقی کا پتا نہیں ہے۔

مجھے ایک زمانے میں کہتے رہے کہ پنجابی کی بقا کے لیے ہمیں جدوجہد کرنی چاہیے۔ شاید وہ مجھے اس مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے، لیکن میں نے ان کی سنی ان سنی کر دی۔ البتہ یہ معاملہ تا حیات رہا کہ وہ اردو میں بات شروع کرتے اور تھوڑی دیر بعد کہتے اردو بولتے بولتے منہ تھک گیا ہے، چلو اب پنجابی میں بات کرتے ہیں۔ پنجابی کے کئی لہجوں میں وہ بہ سہولت بات کر لیتے تھے۔

شاعری سے انھیں بہت رغبت تھی۔ ایک زمانے میں انھیں کسی غزل کے شاعر کا نام معلوم کرنا تھا۔ انھوں نے عزیز حامد مدنی کی غزل کہیں سے سنی تھی کہ ''تازہ ہوا بہار کی دل کا ملال لے گئی''۔ ان دنوں مجھے اس کے شاعر کا علم نہیں تھا۔ اس کی تلاش میں نہ جانے انھوں نے کتنے لوگوں سے ملاقات کی، حنیف ندوی مرحوم بھی ان دنوں زندہ تھے، ان سے ملنے بھی گئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ شاعر سے واقف ہوئے کہ نہیں؟

موسیقی کے وہ دل دادہ تھے۔ ایک دن نہ جانے میں غالب کا کوئی شعر گنگنا رہا تھا اور ''المورد'' میں بیٹھا ہوا کوئی کام بھی کر رہا تھا۔ ان دنوں میرے پاس ''المورد'' کے اکاؤنٹس کا کام بھی ہوتا تھا۔ ''المورد'' اس دور میں K-۵۱، ماڈل ٹاؤن میں استاذ گرامی کی بیٹھک میں قائم تھا۔ نہ جانے وہ کب کمرے میں آئے، مجھے نہیں معلوم۔ وہ کہیں سنتے رہے اور بولے تمھارے گلے میں سر نہیں ہے، اس لیے نہ گنگناؤ تو بہتر ہے۔

''المورد'' کی لائبریری بھی ایک زمانے میں میرے ذمے تھی، کتابوں کی صفائی، الماریوں میں انھیں لگانا، استعمال کے بعد دوبارہ ان کی جگہوں پر رکھنا، وغیرہ۔ کتابوں کو شیلف کرنے کا ایک سلیقہ استاذ گرامی میں ہے کہ وہ کتابوں کو الماری میں نگینوں کی طرح جڑ دیتے ہیں۔ میں نے یہ چیز ان سے سیکھی تھی، اس ہنر کو ''المورد'' کی

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

لائبریری میں استعمال کرتا تھا۔ایک دن میں ایسا کر رہا تھا کہ انیس صاحب آئے تو بولے کتابوں سے شاعری ہو رہی ہے! (یہ جملہ پنجابی میں تھا)۔

''المورد'' میں، ایک دور میں ہر ہفتہ ایک ادبی نشست ہوتی تھی۔ اس میں شاعرانہ اور ادبی فن پارے پیش کیے جاتے تھے۔ طالب محسن، یاسر مجید صدیقی، میرے مرحوم بھائی زاہد حسین، خورشید احمد ندیم اور دیگر لوگ اس میں شریک ہوتے تھے۔ انیس صاحب ہمیشہ سامعین میں موجود ہوتے تھے، وہ سیر سپاٹے اور سفر کو پسند کرنے والے لوگوں میں سے تھے۔ایک دن میری ایک غزل کا شعر تھا:

چلتے رہنا پسند ہے مجھ کو
میں یہ چاہوں کہ گھر نہ آئے کبھی

یہ شعر ان کی طرز زندگی کا غماز تھا، سن کر بہت خوش ہوئے۔ میں نے دراصل علمی سفر کے لیے یہ شعر کہا تھا، لیکن ان کے لیے یہ راہ گذاروں، شاہ راہوں اور پگڈنڈیوں کا سفر تھا، جن کا جمال انھیں اپنی طرف ہمیشہ راغب رکھتا تھا۔اس سفر میں انسان بھی ان کی راہ گذار کے مناظر تھے، جنھیں ٹھیر کر وہ دیکھنے لگ جاتے تھے۔ محمد رفیع مفتی بھی ان کے اس معاملے میں ہم مشرب تھے، گو پیالے الگ الگ رہے ہوں۔ جو شعر پسند نہیں ہوتا تھا، فوراً کہتے: اے کی بونگی ماری اے، کوئی گھٹیا جئی گل ہو گئی اے، اینوں ایس طرح ہونا چاہی دا اے۔ یعنی یہ کیا بے معنی اور گھٹیا سا شعر کہہ دیا ہے۔اس کو یوں ہونا چاہیے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

میرے ساتھ اصلاح کا جذبہ بھی ان کی طرف سے کرم فرما رہا۔ اٹھنے بیٹھنے ، لباس وغیرہ پر وہ اکثر تبصرہ کر دیتے تھے کہ یہ اچھا ہے، یا یہ نہ پہنا کرو، وغیرہ۔

آخر پر دعا ہے کہ وہ اپنے نام کے مطابق سب کے انیس تھے، اور کل قیامت کے دن انیس الرحمٰن بھی ثابت ہوں اور جنت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں۔ آمین

عمیر انیس مفتی

میرے پیارے ابو جان

میرے ابو جان — محمد انیس مفتی — نہایت شفیق انسان، محبت سے بھرپور والد اور شوہر، اور نہایت مخلص دوست تھے، انھوں نے اپنی زندگی کا بیش تر حصہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بڑے علما، ادیبوں اور مختلف شعبہ ہاے زندگی سے تعلق رکھنے والے دوست احباب سے حاصل شدہ علم کو اپنی اور اپنے سے متعلقین کی اصلاح کے لیے استعمال کیا۔

وہ ایک کثیر الجہت شخصیت کے مالک تھے۔

انھیں معاشرتی تعلقات بنانے میں کم وقت ہی درکار ہوتا تھا، اور وہ عمومی طور پر کم وقت ہی میں دوسروں پر ایک خوش گوار شخصیت کا تاثر چھوڑ جاتے تھے۔

ایک اچھی اور مثبت زندگی کیسے گزارنی ہے، یہ وہ جانتے تھے، اور یہ سب کچھ انھوں نے اچھے اساتذہ، علما، ادیب حضرات اور مخلص دوستوں کی صحبت میں رہ کر حاصل کیا تھا۔

مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں ہی میں شامل ہوں گے۔

ہر ذمہ دار انسان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کو اچھی اور آسایشوں والی زندگی فراہم کرے، جس کے لیے وہ معاشی جدوجہد کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پیارے ابو اللہ تعالیٰ کی مدد اور اپنی کاوشوں سے اپنے خاندان کے گرد نہایت اچھے، مخلص، احساس کرنے والے دوست، احباب اور رفقا کی ایسی مضبوط دیوار بنا گئے ہیں جو زندگی میں آگے پیش آنے والے مسائل سے نمٹنے میں بہت مددگار ہوگی، ان شاء اللہ۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ میرے پیارے ابو جان کی کوتاہیوں سے درگذر فرمائے، ان کے حسنات کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے، ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ہمیں ان کے سکھلائے ہوئے تمام اچھے کاموں کو جاری رکھنے کی ہمت، حوصلہ، اور قوت عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین، یارب العٰلمین۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

Trusted Name for Last 65 years

Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets

Since 1949
Snowhite
DRYCLEANERS
Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!

TQCSI
Quality Certified
ISO 9001 : 2000

Brands of the year Award
IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS
2011-2012

Web: www.snowhite.com.pk
Tel: 021-38682810